آسیہ رزاقی

میں اکیلی نہیں

گھر میں ہنگامہ برپا تھا۔ چھوٹے رؤف کی بسم اللہ تھی۔ عزیز رشتے دار، محلے والے اور جانے کون کون گھر میں آرہے تھے، جارہے تھے، ہنس رہے تھے، بول رہے تھے۔ چھوٹی آپی بڑی آپی غرارے پھڑکاتی ادھر سے ادھر ان دیکھے کاموں میں مصروف۔ اتنا شور اور عجب طرح کی بے ترتیبی تھی کہ اس کا دل بے چین ہو گیا۔ اسے تو تنہائی کی عادت تھی۔ اکلوتی اولاد کی عادتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ خصوصاً جو بقیہ خاندان برادری سے دور ہو۔

بابا کی جاب بھی ایسی تھی کہ وہ اپنے ملک میں کم، باہر زیادہ رہے۔ کبھی انگلینڈ کبھی ملائیشیا تو کبھی سری لنکا کبھی قطر تو کبھی تنزانیہ۔ بڑے عیش آرام سے رہتے تھے۔ سیر و تفریح۔ اس نے تو بابا کی جاب کی وجہ سے ملکوں ملکوں کی سیر کرلی تھی اور جب بابا نے واپس پاکستان آنے کی تیاری کرلی تو وہ بہت ناراض تھی مگر مجبوری تھی۔

واپس آکر بابا نے بہت خوبصورت گھر بھی خرید لیا تھا۔ گھر کیا تھا، عالی شان محل تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے وہ ملائیشیا یا تنزانیہ والے گھر میں رہتے تھے اس لیے حریم اب بہت خوش تھی۔ یہاں آنے کے بعد بھی کئی بار وہ بابا کے ساتھ انگلینڈ، قطر، ماریشس جاچکی تھی اور ادھر زندگی میں بابا کی بہن کا جو گھر تھا، وہ اس کے تصور سے کہیں معمولی تھا اور گھر کا ماحول "الامان الحفیظ"۔

صبح روزانہ باجی اور ابا میاں کی کسی بھی چھوٹی سی

مکمل ناول





بات پر تکرار ہو جاتی۔ بابا ہی نہیں ان کے بھانجے بھانجیاں بھی امی کے بجائے ماں کو باجی کہتے تھے۔ وہ بھی باجی کہتی۔ البتہ ابا میاں کو کوئی بچہ بھائی جان نہیں کہتا تھا۔ صرف بابا ہی انہیں بھائی میاں کہتے تھے۔

بہن بھائی بہت لاڈلی بہن تھیں۔ گھر میں باجی کا حکم ہی چلتا تھا مگر بڑی آپی چھوٹی آپی چھوٹے بہن بھائیوں پر خوب حکم چلاتیں۔ چھوٹوں کو نہلانا، منہ دھلانا، کپڑے بدلوانا حتیٰ کہ کنگھا کر کے ان کے بالوں کو سنوارنا بھی بڑی بہنوں کی ذمہ داری تھی اور اس دوران وہ خوب شور مچا کر اپنی حاکمیت کا اعلان کرتیں پھر ناشتے پر......

ایک بچی چوکی پر پلاسٹک کا کور ڈال کر پیڑھیوں پر بیٹھ کر ناشتہ کھاتا ہوتا، یہاں بھی بہن بھائی ایک دوسرے پر حملے کرتے، پراٹھا اچکتے اور آملیٹ لوٹنے کا مقابلہ ہوتا۔ چھینا جھپٹی اور پھر شکایتیں۔

حریم سخت بیزار ہوئی، نہ جانے مما کو کیا دلچسپی تھی باجی سے۔ ہر سال اسکول کی چھٹیوں میں اسے لے کر آجاتیں، خود وہ تو باجی کے ساتھ کچھ نہ کچھ بناتی رہتیں۔ کبھی کچن تو کبھی بڑے کمرے میں سلائی اور نکالی، سوئٹر کے نمونے پھیلائے مگن رہتیں۔

حریم سب سے اکتا کر کسی گملے کے پھولوں کو گھور رہی ہے یا کسی کیاری سے گھاس نوچ رہی ہے، انہیں کچھ خبر نہ ہوتی۔

ابا میاں اس پر بہت مہربان تھے، روز اسے گلے لگا کر تھپتھپاتے، خیریت پوچھتے جیسے وہ ابھی کہیں دور سے پہنچی ہو پھر زیر لب ہنستے میں اس سے گفتگو کرتے۔

"دل لگ گیا تمہارا؟ گھبرائی ہو گی! یہ سب لوگ تو بہت شیطان ہیں۔ تم معصوم فرشتہ ہو۔ امین سے دوستی کر لو، اس کے پاس کئی عدد گڑیاں بھی ہیں، کھیلا کرو۔"

وہ ان گڑیوں کو دیکھ چکی تھی۔ پرانی بوسیدہ اور میلی۔ خود اس کے پاس امپورٹڈ گڑیوں کا انبار تھا۔ ایسی ایسی حسین اور دل آویز گڑیاں، ہر ملک کی بے شمار گڑیاں۔ یہ لوگ دیکھ لیتے تو شاید آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتیں۔ ویسے یہاں امی کی آؤ بھگت بہت ہوتی تھی۔ آخر وہ اکلوتی اولاد تھی اور اس کے بابا دنیا کے اتنے ممالک گھوم چکے تھے، جتنے کہ یہاں کے لوگ اپنے ملک کے شہر نہ دیکھ پائے ہوں۔

باجی اپنے بچوں کو تو ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتی رہتی تھیں بلکہ حریم کی مثال دے کر سب کو اس کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کرتیں۔

اس بار وہ مما کے بغیر آئی تھی۔ وہ کسی اہم کام کے سلسلے میں مصروف تھیں اس لیے بابا اسے چھوڑ گئے تھے۔ وہ رہنا تو نہیں چاہتی تھی مگر سب نے اس قدر اصرار کیا پھر روف کی بسم اللہ پر سب رشتے داروں کے جمع ہونے کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ رک گئی۔ بابا واپس چلے گئے، وہ زیادہ رک نہیں سکتے تھے۔ اب وہ پچھتا رہی تھی، دل نہیں لگ رہا تھا۔ سب کی خاطر تواضع کے باوجود عجب طرح کی بے چینی تھی۔

صبح ایک بے ہنگم شور کے ساتھ طلوع ہوئی۔ باجی کا صبح سویرے چیخنا چلانا۔ چھوٹی آپی کی نیند اتنی گہری ہوتی وہ مسلسل انہیں جگانے کی کوشش کرتیں۔ ابا میاں انہیں منع کرتے پھر ناشتہ ہوتا، ناشتے میں بھی پراٹھے کبھی سادہ روٹی اور دہی۔ حریم کے لیے پراٹھا انڈا لازمی ہوتا۔

اپنے گھر میں تو وہ ڈبل روٹی انڈے کا ناشتہ کرتی تھی۔ کبھی وہ دلیہ، کارن فلیکس یا فرنچ ٹوسٹ مگر یہاں ایسا کچھ نہ تھا۔ سب کو ایک ہی طرح کا ناشتہ ملتا۔ کوئی فرمائش کرتا بھی نہ تھا اس کی طرح کہ مجھے تو آج فلاں چیز ناشتے میں چاہیے۔ کھانا بھی بے حد سادہ ہوتا۔ کبھی آلو پالک تو کبھی آلو کی بھجیا، کبھی آلو کے کباب یا کوئی دال۔ بس ذرا سلاد کا اہتمام کر لیا جاتا۔

اسے اپنی پسندیدہ چائنیز، اٹالین ڈشز یاد آتیں۔ مما اس کے لیے اس کی پسندیدہ ڈشز بنوا لیتی تھیں۔ خود بھی وہ ہر قسم کے کھانے تیار کر لیتی تھیں مگر یہاں وہ کسی سے اتنی بے تکلف نہ تھی کہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی۔ بابا کو اندازہ ہو جاتا تو وہ اس کے لیے بھی

رائتہ بنوا دیتیں۔ کبھی دہی چٹنی اس کے آگے رکھ دی جاتی۔ کبھی کبھار کباب بھی ہوتے۔ آلو گوشت پکتا تو وہ اس قدر پتلے شوربے کا ہوتا کہ روٹی بس بھیگ جاتی۔ پہلی بار اس نے لقمہ منہ میں رکھ کر چمچے سے شوربہ پیا، سب اس قدر ہنسے مگر توصیف اور ارمغن کو یہ ترکیب بہت پسند آئی۔ انہوں نے بھی چمچہ لا کر شوربہ پینا شروع کر دیا جو بقیہ لوگوں کو اچھا نہیں لگا۔

شام کی چائے پر، صرف اس کے لیے رسک لائے جاتے اور وہ اپنے گھر کی چائے یاد کرتی۔ کیک، پیٹیز اور بسکٹ۔ وہ خوب کھاتی جبکہ مما کو اس سے یہی شکایت تھی کہ وہ کچھ کھاتی ہی نہیں۔

مما اس کے لیے کئی قسم کے حلوے بنا کر رکھتی تھیں۔ پڑھتے پڑھتے جونہی خیال آتا، دوڑ کر جاتی۔ الماری سے حلوہ نکال لاتی۔ یہاں تو حلوے کا کسی نے نام بھی نہیں لیا۔ اتفاق سے انہی دنوں شب برات کا موقع آگیا۔ پڑوس سے حلوے آئے جو سب نے فوراً "چٹ" کر لیے۔ البتہ خشک حلوے کی دو قاشیں باجی چپکے سے اس کی ہتھیلی میں دبا گئیں، جو اس نے میز پر رکھی کتاب کے نیچے سرکا دیں۔

اپنے گھر میں اس کا کمرہ الگ ہوتا تھا، بے حد آرائشی اشیاء سے سجا ہوا۔ دنیا بھر کے خوبصورت لوٹے، چینی نوادرات، حسین پینٹنگز، نہ جانے کیا کچھ مما بابا نے اس کے لیے ہر قسم کا عیش کا سامان مہیا کیا تھا اور یہاں نے۔

پہلے دن تو وہ ڈرائنگ روم میں سو گئی تھی۔ بابا بھی وہیں سوئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ اسے اب باجی کے ساتھ پلنگ پر سونا ہو گا۔ ان کا پلنگ کافی چوڑا تھا۔ گھر میں پلنگ آدمیوں کے حساب سے تھا بلکہ رؤف بھی باجی کے ساتھ سوتا تھا، جو اس کی وجہ سے بڑی آپی کے پاس سلایا گیا اور بقول بڑی آپی۔

رات بھر بے چین رہا، لاتیں چلاتا رہا۔ اسے "ادھورا" باجی کے ساتھ سونا پڑا۔ وہ اسے لپٹانا چاہتی تھیں۔ بے وہ دور کھسک جاتی۔

"پتہ نہیں مما، بابا کس طرح یہاں رہتے ہیں۔" اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

آج رؤف کی بسم اللہ تھی۔ بڑے کمرے میں سفید چاندنیاں بچھی تھیں۔ گاؤ تکیے لگے تھے۔ ایک چوکی پر خوبصورت چادر ڈال کر مولوی صاحب اور شاگرد کے بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی۔ خواتین اور بچے سب بے حد مؤدب بیٹھے تھے۔ خاموشی تھی۔ مولوی صاحب بھی غیر نہیں۔ خاندان کے ہی بزرگ تھے۔ رؤف نے بڑی فرماں برداری سے اقراء کی سورت پڑھی۔ یعنی مولوی صاحب کے پڑھنے کے بعد دہرائی۔ مبارک سلامت، دعا کی گئی۔ بچے کو سب نے تحائف دیے اور اسی چاندنی پر دستر خوان بچھا دیا گیا۔ کھانا آگیا اور خاصی ہڑبونگ مچی۔ کسی کو بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں ملی تو کسی کو

پلیٹ نہیں دی گئی۔ وہ سب سے الگ ایک کرسی پر بیٹھی رہی۔ چھوٹی آپی اسے بلاتی رہیں۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ مہمان خواتین ایک ایک کرکے رخصت ہوئیں۔

تب ابامیاں اندر آئے' ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا' جھینپا جھینپا سا۔ ابامیاں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اندر لارہے تھے۔ وہ آکر باجی کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ بہت خوش ہوکر اس سے باتیں کرنے لگیں۔ گھروالوں کے ساتھ اس نے بھی وہیں فرش پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔

لڑکے کو سب آصف کے نام سے بلا رہے تھے۔ لاہور سے آیا تھا۔ پتہ چلا ان لوگوں کا چچازاد بھائی ہے۔ اسے تو خیر ڈرائنگ روم میں سوناتھا۔ شاید یہاں کے مہمانوں کے لیے ڈرائنگ روم ہی گیسٹ روم بن جاتا تھا مگر بڑی آپی کی سہیلی جو دور سے آئی تھیں' اسے رات کو روک لیا گیا۔ اب پھر پلنگوں کی کمی کا مسئلہ اور جب اسے بتایا گیا کہ باجی کے بڑے پلنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی پر نسرین صاحبہ کو بھی سلایا جائے گا۔ تو وہ غصے میں آگئی۔ سب لوگ لیٹ چکے تھے۔ وہ برآمدے میں ایک پرانا رسالہ لیے بیٹھی رہی۔ سب بلاتے آئے۔ وہ ہلی بھی نہیں۔ آخر باجی خود آئیں۔

"بچی! رات ہوگئی ہے۔ آؤ تم بھی سوجاؤ۔ کہیں تمہاری طبیعت خراب نہ ہوجائے۔" محبت ان کے لہجے سے ٹپک رہی تھی۔

"میں۔۔۔ دو لوگوں کے ساتھ۔۔۔ نہیں سو سکتی۔۔۔ عادت نہیں ہے۔" اس کا بیزار کن لہجہ۔

باجی چمکار کر بولیں۔ "ارے یہ اتنا بڑا پلنگ ہے اور وہ نسرین تو تم سے بھی زیادہ سوکھی تنکا ہے۔ پتہ بھی نہیں چلے گا۔ لیٹ کر تو دیکھو۔ آج خوب باتیں کریں گے' ٹھیک۔ پتہ بھی نہیں چلے گا کب نیند آگئی اور سونے کے بعد کیا معلوم ہوگا کہ کون برابر میں لیٹا ہے۔ وہ بچی بھی مہمان ہے۔ نہیں تو بیٹا فہمیدہ کے ساتھ سو جاتی۔"

"میں نہیں سو سکتی اس طرح۔۔۔" وہ منہ بنا کر ہٹ گئی۔

"ارے بچی۔۔۔ دن بھر آتے کام ہوتے رہے' تمہارے پاس بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملا' بچی کچھ کہوں' کچھ تمہاری سنوں۔" باجی اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ "آج ہم دونوں خوب باتیں کریں گے' ٹھیک۔"

"نہیں۔۔۔ بھلا آپ سے کیا باتیں کروں گی۔ آپ میرے برابر تو نہیں ہیں۔"

وہ بے دلی سے بولی۔ باجی کا اس کے سر پر رکھا ہاتھ فوراً ہٹ گیا۔ پھر وہ وہاں سے چلی گئیں اور چھوٹی آپی سے بولیں۔

"فہمیدہ! تم نسرین کو لے کر میرے پاس آجاؤ' اپنا پلنگ حریم کو دے دو۔"

"باجی۔۔۔ ہم تو رات کو خوب باتیں کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔" فہمیدہ نے ناراضی سے کہا۔ "پھر آپ کی نیند بھی خراب ہوگی۔"

"نہیں ہوگی' تم کرتی رہنا باتیں۔" باجی کی آواز میں تھکن تھی۔

پھر بڑی آپی باجی کے پاس گئیں۔ کچھ کھسر پھسر ہوئی۔ فہمیدہ اپنی سہیلی کو لے کر باجی کے پاس چلی گئی۔ جاتے ہوئے مڑ کر کہا۔ "جاؤ حریم' لیٹو جاکر۔"

وہ چپ رہی تو پاس آکر بولیں۔ "اب کیوں پتھر بن کر بیٹھی ہو' باجی دن بھر کی تھکی ہوئی ہیں۔ اگر تم جب تک نہیں لیٹ جاؤگی' وہ بھی بے آرام رہیں گی۔ رات بھر سو نہیں سکیں گی۔"

"تھکی ہوئی ہیں؟ تو میرے ساتھ باتیں کرنے سے تھکن اور بے آرامی کیا دور ہوگی؟"

وہ اسی طرح بیٹھی رہی پھر بڑی آپی اس کا ہاتھ پکڑ کر پلنگ تک لائیں اور بہت پیار سے اس کو بستر پر لٹایا۔ وہ لیٹ گئی تو جھک کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اسے بہت اچھا لگا۔

صبح روز جیسی چیخ پکار نہ تھی بلکہ خاصی خاموشی تھی۔ بڑی آپی ناشتہ بنا رہی تھیں۔ چھوٹی آپی صفائی کر رہی تھیں۔ ناشتہ خاموشی سے ہوا۔

ابامیاں نسرین کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ باجی کا

ناشتہ ان کے کمرے میں بڑی آپی لے گئی تھیں۔ واپس آ کر برتن رکھتے ہوئے حریم سے بولیں۔

"رات بھر باجی سو نہیں سکیں' بے چین رہیں' طبیعت خراب ہو گئی۔ تم جا کر ان کا حال پوچھ لو۔"

وہ ان کو دیکھ کر رو دی۔ بھلا وہ ان کا حال اس طرح پوچھے۔ رات تک اچھی بھلی تھیں۔ خوب باتیں کرنے کا لالچ دے رہی تھیں پھر۔ اور اس کی کیسی بے تکلفی بھی نہیں تھی۔ یوں بھی ابھی اس کم سے کے اخلاق نبھانے کا اس میں سلیقہ نہ تھا۔ وہ جھجکتی تھی۔ مما پاپا سے علیحدہ ہو کر تو وہ خود کو بالکل ہی اکیلا محسوس کرتی — اور ابھی اس کی اتنی عمر بھی نہ تھی کہ وہ اخلاقیات کی باریکیاں سمجھ سکتی۔ گو کہ دل تو کہہ رہا تھا کہ باجی کی خیریت پوچھنا چاہیے مگر کیسے۔

برآمدے میں آ کر توصیف کے طوطوں کو دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد ابا میاں آئے۔ سیدھے باجی کے کمرے میں چلے گئے پھر باہر آ کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے۔ عینک کے شیشے صاف کرتے ہنس کر بولے۔

"اچھا اچھا۔ طوطوں سے دلچسپی ہے۔ واہ۔ توصیف کا شوق ہے۔ تم دونوں کی عادتیں بھی بہت ملتی ہیں۔ وہ بھی بہت خاموش رہتا ہے۔ اچھا۔ آج کیا لے کر آؤں اپنی بیٹی کے لیے۔ اچھا۔ کیک لاؤں گا۔ پسند ہے تمہیں؟"

"جی۔ مجھے کیک پسند ہے مگر مما کے ہاتھ کا بنا ہوا۔" پوچھ تو ایسے رہے ہیں جیسے روز تو موتی پرو کر لاتے ہیں اور وہ کب مری جا رہی تھی اس سوکھے کیک کے بغیر' باسی بے مزہ۔

"اچھا۔ چلو بیٹی ذرا تمہاری باجی کو دیکھ آئیں۔ سنا ہے کچھ طبیعت ناساز ہے۔"

"تو ابھی وہیں سے تو آ رہے ہیں محترم۔" مگر اس کو ان کا سہارا غنیمت لگا۔ ان کے ساتھ باجی کے کمرے میں آ گئی۔ ایک رات میں ہی ان کا چہرہ ست کر رہ گیا تھا۔ چہرے پر اداسی اور زردی تھی۔ وہ تکیے کے سہارے نیم دراز تھیں اور آصف ان کا سر دبا رہا تھا۔ اسے اندر آتا دیکھ کر باجی کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

"آصف بیٹے! لو اب میری حریم آ گئی ہے' درد ختم ہو گیا۔ تم بھی کچھ کھا پی لو۔ صبح سے یہاں ڈٹے بیٹھے ہو۔ بس اٹھو۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں اور پُرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"واہ بیٹی اماں۔ یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ اپنی بیٹی کو دیکھتے ہی آپ کا درد چھو ہو گیا۔ میں تو صبح سے دبا رہا ہوں' پڑھ پڑھ کر پھونک بھی رہا ہوں اور اگر پتا ہوتا کہ شفا حریم کی دید میں ہے تو میں صبح پہلے اسے پکڑ لاتا۔"

آصف باقاعدہ ان سے جھگڑ رہا تھا بہت بے تکلفی سے۔ وہ بھی اس کے چپت لگا کر مسکرا رہی تھیں پھر حریم جھجکتے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ ابا میاں آصف سے باتیں کرنے لگے۔ باجی اس کو بازوؤں کے گھیرے میں لے کر اس کا حال پوچھنے لگیں۔

"نیند آ گئی تھی؟ ناشتہ کر لیا ٹھیک سے؟"

وہ شرمندہ ہو گئی پھر ہمت کر کے پوچھ لیا۔

"آپ رات کو تو ٹھیک تھیں پھر طبیعت کیوں خراب ہو گئی؟"

"بس بیٹا تھکن تھی۔" صاف ٹال گئیں۔

"تمہارا کسی چیز کے لیے دل چاہے' پنہو سے کہہ دیا کرو' تکلف نہ کیا کرو۔ وہ بنا دیا کرے گی۔"

اس کے جواب سے پہلے آصف بولا۔ "پنہو بے چاری کو فرصت کہاں' تنہو سے کچھ پکوا لیا کرو' مرچیں گھول کر تو کچھ نہ کچھ بنا ہی سکتی ہے۔"

"ارے نہیں اب اسے بھی خاصا پکانا آ گیا ہے۔" باجی جلدی سے بولیں۔

"کیا پتہ۔" وہ کندھے اچکا رہا تھا۔ "ہمارا تجربہ تو یہی ہے۔"

اس کا انداز چڑانے والا تھا اور اس وقت اس نے ایکدم تنہو کونے میں کھڑی کچھ کر رہی تھی پلٹ کر فوراً بولی۔

"جناب آصف' پہلے میں چھوٹی تھی' مجھے مسالوں کی پہچان نہیں تھی۔"

"میرے تجربے کی روشنی میں۔ یہ ذرا بہانہ ہے۔ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔ کیوں چچا میاں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

ابا میاں مسکرائے۔ آصف کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ "ہاں شاید۔" پھر باجی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اچھا میں چلتا ہوں' دکان کھولنی ہے۔"

"ارے چچا میاں! آج بھی امی کو اس حال میں چھوڑ کر؟" آصف حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا کریں بیٹا!" وہ کچھ آزردگی سے بولے۔ "کمائی تو کرنی پڑتی ہے' روزی کے لیے جان کھپانا پڑتی ہے' ورنہ لگے دن کی روٹی کے لالے پڑ جائیں۔ یہ دکھ بیماری تو انسان کی سانس کے ساتھ ہے۔"

حریم کو ان پر ترس آگیا۔ بے چارے میلے کچیلے کوٹ اور بے رنگ قمیص میں ملبوس۔ خود بھی تھکے تھکے لگ رہے تھے' کہہ کر باہر نکل گئے۔

"باجی! اس لیں میں کسی کے لیے کچھ نہیں بناؤں گی بس کہہ دیا۔" ثنیہ تنک کر کہتی باہر چلی گئی۔

آصف نے منہ پر ہاتھ رکھ کر تعجب کا اظہار کیا۔ "باپ رے حریم کو کیا سا جواب دے کر گئی ہے۔"

"اچھا! جملو نہ بنو۔ جاؤ کچھ کھا پی لو۔" باجی نے ہنس کر اسے پرے دھکیلا۔

وہ ہنسنے لگا۔ حریم تعجب سے باجی کو دیکھنے لگی۔ وہ بھی ہنسے جا رہی تھیں۔ پھر وہ باہر چلا گیا اور وہاں سے ثنیہ کی چیخ کی آواز ساتھ ہی آصف کے معافی معافی کی آوازیں۔ ہنیہ کے بھی کچھ کہنے کی ملی جلی صدائیں۔

باجی نے حریم کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"بہت جنگ ہوتی ہے ان دونوں کی۔ ایک منٹ کے لیے بھی لڑے بغیر نہیں رہتے۔ بنتی ہی نہیں ہے آپس میں۔ حیران نہ ہو' یہ بچپن سے ایسے ہی ہیں۔ ثنیہ تنک مزاج' آصف شریر' چھوڑو۔ ہاں یہ فیضان نے آنے میں دیر کر دی۔ پتہ نہیں فریحہ کی طبیعت کیسی ہے؟"

رات کو کیا باتوں کا وعدہ اب پورا کر رہی تھیں۔ اپنے مما بابا کی باتوں پر اس کا دل مچل گیا۔ وہ بھی ان کے سوالوں کا جواب دینے لگی۔ وہی کمرہ میں کیا تھا؟ چھت' دیواروں کی سیلن اور جھڑتے ہوئے پلستر سے جھانکتی ہیبت ناک دیوار پر بنتی شکلوں سے خوف زدہ رہتی تھی۔ تھنڈہ پھر باجی کے بازو سے لگی ان کی باتیں سنتی رہی۔ اپنی سناتی رہی۔ اپنی ضد میں ہٹ مانیاں۔

بابا کا اس کی ہر فرمائش پورا کرنا اور مما کا اسے ٹوکنا بلکہ بابا کو اس کی ہر خواہش پورا کرنے پر ان سے ناراض ہونا' اس کے باوجود مما گھر میں تو اس کی پسند' ناپسند' اس کی صحت سے مطابقت رکھنے والی ہر شے مہیا کرنے میں ذرا بھی غفلت نہیں کرتی تھیں۔ نت نئے کھانے' مٹھائیاں' ملکوں ملکوں کی مختلف چیزیں اس کے لیے منگا کر رکھتی ہیں اور اس کو پورا یقین ہے کہ ان سے بہتر ان سے اچھی کوئی ماں دنیا میں ہے ہی نہیں' ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتیں۔ جاہلوں کی طرح چیخ چلاتی نہیں۔ پیار سے' آرام سے سمجھاتی ہیں۔ ان جیسی کوئی ماں اس نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ اپنی کسی فرینڈ کی بھی بلکہ اس کی ساری فرینڈز بھی اس کا اعتراف کرتی ہیں۔ ہائے شکر کہ اس کو مما جیسی ماں ملی ہیں ان کے حوالے اگر وہ کسی اور کی بیٹی ہوتی تو کتنی بدقسمتی ہوتی۔

اچانک اسے احساس ہوا۔ باجی بالکل چپ ہو گئی ہیں۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ فوراً ہی جملے کے ساتھ ہی فقرہ جوڑ لیا۔

"مگر آپ بھی بہت ہی اچھی ماں ہیں۔ آپ کے سب بچے بھی بہت اچھے ہیں' آپ سب کو ہینڈل کر لیتی ہیں۔ میں تو پھر بھی اکیلی ہوں۔ مما کو مشکل نہیں ہوتی مگر آپ تو سب کے ساتھ انصاف کر رہی ہوتی ہیں۔ کتنی اچھی طرح سب کا خیال رکھتی ہیں۔ کاش کہ آپ میری بھی ماں ہوتیں۔ ہائے کتنا مزا آتا میری دو دو مائیں۔ اف۔"

وہ جوش میں ان سے لپٹ گئی۔ باجی نے اس کا سر سہلایا' سر پر بوسہ دیا' ہاتھ تھپتھپایا اور آہستہ سے بولیں۔

"ہاں ایسا بھی ہوتا تو ہے۔"

☆ ☆ ☆

وہ بابا کے آتے ہی ان کے ساتھ واپس آگئی تھی۔ سب اسے روکنا چاہتے تھے کیونکہ اس کی چھٹیاں باقی تھیں مگر ابا میاں نے اس کی سفارش کی کہ "ٹھہر آئی ہے، جانے دو پھر بھی آجائے گی۔" اور پھر آنے کے وعدے پر وہ بابا کے ساتھ واپس آگئی۔ اپنے شان دار گھر اپنے حسین سجے ہوئے گھر، مما کی گود میں سر رکھ کر وہ رو پڑی۔ کتنی تکلیف دہ زندگی تھی وہاں اور جب اس نے مما سے یہ بات کی تو وہ کچھ افسردہ ہو گئیں۔

"ہاں بیٹا! ہم کو، تم کو ایسا لگتا ہے مگر وہ لوگ اپنی زندگی کو آئیڈیل سمجھتے ہیں۔ کسی نے بھی کبھی کسی تکلیف کی شکایت نہیں کی۔ وہ سب اسی حال میں خوش رہتے ہیں، بہت صابر و شاکر، قناعت پسند، اعلا ظرف۔"

وہ چپ ہو گئیں۔ مما نے اس کے لیے طرح طرح کی مٹھائیاں اور حلوے کیک وغیرہ بنا کر رکھے تھے۔ وہ بھوکوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑی۔ مما کے ٹوکنے پر اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"مما! وہاں تو میں اچھے کھانے کو ترس گئی۔ حلوے اور مٹھائیاں تو کبھی دیکھے ہی نہیں۔ گوشت بھی ہفتے میں بس دو بار پکتا ہے اور اس میں شوربہ اتنا زیادہ کہ مچھلی کو ڈال دو تو وہ مزے سے تیر سکتی ہے۔"

"بری بات ہے بیٹا! بری بات ہے۔" مما نے اسے ڈانٹا۔ "کسی کا اس طرح مذاق نہیں اڑاتے۔ وہ ہمارے اپنے ہیں۔ خاندان میں سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں بیٹا! مگر حیثیت سب کی برابر ہوتی ہے، کسی کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"مگر پوزیشن کا فرق تو بہت ہے۔" وہ اپنے جذبات کا اظہار برملا کر دیتی۔

"ہاں اصل میں بھائی میاں بچپن میں بیمار رہے، تعلیم میں پیچھے رہ گئے جبکہ ان کے بھائی اعلا سرکاری عہدے دار تھے۔ اب بھی ان کی پوزیشن بہت اچھی ہے۔ اپنا گھر بھی بنا لیا' بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔"

"تو بے چاری باجی کی شادی اتنے غریب آدمی سے کیوں کر دی گئی۔"

"وہ الگ قصہ ہے' ان کی بچپن میں منگنی ہو گئی تھی۔" مما اسے وجہ بتا رہی تھیں۔ "بعد میں بلکہ ماموں مرحوم۔ یعنی باجی کے والد نے چاہا کہ کسی تعلیم یافتہ اچھے گھرانے میں شادی کر دیں تو باجی نے خود انکار کر دیا۔ ساری عمر ان کے نام پر گزارنے کا عہد کیا تھا۔ پورے خاندان کو علم تھا' انہیں منگنی ٹوٹنے سے اپنی بھی اور بھائی میاں کی بے عزتی گوارا نہ تھی۔ بس اس لیے۔ اللہ کا نام لے کر شادی کر دی۔"

"توبہ کیا بات ہوئی' باجی تو عجیب ہیں۔" وہ اس بات پر ان سے متفق نہ ہوئی۔ "اچھی جگہ شادی ہوتی تو عیش کرتیں۔"

"وہ کہتی ہیں' محبت اور عزت زیادہ اہم ہے۔ ان سے شادی کر کے یہ دونوں چیزیں مل گئیں۔ کسی غیر سے شادی کر کے شاید دونوں سے محروم رہتیں۔ برسوں کا خود سے کیا ہوا وعدہ توڑنے پر سزا بھی ملتی' انہیں اپنی قسمت پر بھروسہ بہت تھا۔"

"وہ کیسی قسمت تھی۔ نہ اچھا کھانے کو نہ پہننے کو۔ محبت نے دیا بھی تو کیا' تنگ دستی۔" وہ اپنے موقف سے ذرا نہ ہٹی۔

"بیٹا! جس کی قسمت میں جو ہوتا ہے' وہی اسے ملتا ہے۔ کروڑپتی لوگ دیوالیہ بھی ہو جاتے ہیں۔ قسمت روٹھ جاتی ہے' اس لیے انسان کو ہر حال میں صابر و شاکر رہنا چاہیے۔"

مما اسے سمجھا کر اپنے کام میں لگ گئیں۔ وہ اپنے خوبصورت کمرے میں آ کر اپنے نرم بستر پر لیٹ گئی۔ اسے باجی کی بدنصیبی پر ترس آ رہا تھا۔

کئی دن تک وہ مما بابا کو وہاں کے قصے سناتی رہی مگر کوئی تعریف کے قابل بات تھی ہی نہیں۔ بس اپنی تکلیف اور بیزاری۔

"دو دو لوگ ایک پلنگ پر سوتے تھے' سنگل بیڈ پر۔ اُف۔ مجھے باجی کے ساتھ سونا پڑا' نیند ہی نہیں

تھی۔"

بابا اسے سمجھاتے "ان کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ بھائی میاں بہت خوددار اور محنتی ہیں۔ کسی کی امداد نہیں لیتے۔ اپنے حال میں خوش ہیں اور بہت سے لوگ بھی ایسے ہیں خاندان میں۔ سب لوگ امیر ہی تو نہیں ہوتے' کچھ غریب بھی ہوتے ہیں مگر ان کی عزت امیر رشتہ داروں سے کم تو نہیں ہوتی۔ باجی کی حیثیت معمولی ہے مگر دل ان کا بہت بڑا ہے۔ تم سے کتنی محبت کرتی ہیں' کتنی خاطر کرتی ہیں تمہاری۔"

"میری مما کا دل بھی بڑا ہے' وہ بھی میری بہت خاطر کرتی ہیں۔" وہ لاڈ سے مما سے لپٹ گئی۔

"ارے ہے۔۔۔ نہ بھئی۔۔۔ اللہ نہ کرے میرا دل بڑا ہو۔" مما تو کانپ گئیں۔

سب ہنسنے لگے پھر بھی مما اور بابا اسے شرمندہ ہی کرتے رہے کہ وہ ان لوگوں کی محبت کو پہچان نہیں سکی' جبکہ وہ ہم دونوں سے زیادہ تم سے محبت کرتے ہیں بہت زیادہ۔ ان کی محبت سچی اور لاثانی ہے۔

"ہاں تو میں ہوں ہی محبت کے لائق" آپ کی اکلوتی اولاد۔"

پھر ایسا اتفاق ہوا کہ پھر وہ کئی سال پنڈی جا نہیں سکی۔ بابا کا انگلینڈ کا ٹور بن گیا' وہ ان کے ساتھ چلی گئی پھر خاصی پڑھائی کرنی پڑی۔ اولیول کا رزلٹ بے حد شاندار تھا۔ مما بابا تو بے حد خوش تھے ہی' باجی کا بھی مبارک باد کا فون آیا۔ سب گھر والوں نے اسے بے حد مبارک باد دی۔

بابا نے اس کی فرمائش پر اسے بہت خوبصورت کمپیوٹر لا کر دیا اور تو اور ابا میاں ارمین اور روف کو بھی لائے اور بے حد خوبصورت سوٹ بھی مٹھائی کے ساتھ لائے۔ وہ بہت خوش تھے کیونکہ توصیف نے بھی میٹرک میں پوزیشن لی تھی۔ حریم کو چھوٹی آپی کے وہ بدرنگے پرانے کپڑے یاد آئے کیونکہ ان کے پاس نئے یا اچھے کپڑے تھے ہی نہیں۔ ارمین تو یوں بھی ہمیشہ لنڈے کپڑوں میں ہوتی تھی یا بڑی آپی کے پرانے کپڑوں کو کاٹ چھانٹ کر اس کے سائز کے بنائے جاتے تھے۔ باجی ان پرانوں کو نیا کرنے کے سلسلے میں بہت محنت کرتی تھیں' اس لیے الگ ہو کر مما کو یہ سب یاد آیا اور کہا۔

"وہ جو سوٹ میرے لیے لائے ہیں' واپس کر دیں۔ میرے پاس تو اور بھی بہت کپڑے ہیں' ان میں سے بھی بھیج دیں۔ چھوٹی آپی خود ہی سی بھی لیں گی۔" مگر مما نے سختی سے منع کیا۔

"تحفے کی ناقدری نہیں کرنا چاہیے' وہ بڑے شوق اور محبت سے لائے ہیں۔ ممکن ہے پیٹ کاٹ کے جیب سے نکال کر بھیجا ہو' انہیں دکھ ہو گا۔ سمجھیں گے کہ ہم ان کو کمتر سمجھتے ہیں۔ تحفے کی تحقیر کر رہے ہیں۔ نہیں بیٹا! یہ سوٹ سلوا کر تم ہی پہننا اور اپنے استعمال شدہ کپڑے انہیں بھیجنے کا سوچنا بھی نہیں۔ یہ تو بہت ہی بری بات ہے۔ یہ تو غرور کی نشانی ہے۔ تم فکر نہ کرو' کوئی موقع آئے گا تو ہم ان کی محبت اور قدر کا اپنی محبت اور خلوص سے بدلہ دیں گے۔"

اس کی سمجھ میں بات آگئی مگر اسے مایوسی ہوئی۔ مما نے کوئی چیز نہیں دی۔ بس ارمین کو اس کی گڑیوں میں سے چند گڑیاں دے دیں' جو اس نے بڑی بردباری سے شکوے کے ساتھ لے لیں۔ ابا میاں کو ایک لفافہ ضرور دیا بے حد اصرار سے۔ وہ ارمین اور روف کو اپنا کمرہ دکھانے لائی۔ وہ تو گھر دیکھ کر ہی خاصے حیران تھے۔ اس کا کمرہ تو ان کے لیے کسی عجائب گھر سے کم نہ تھا۔

وہ حیرت اور شوق سے ہر چیز دیکھتے۔ شیشے کے ڈیکوریشن پیسز' نازک کانچ کی گڑیا اور پرندے' اس کے کمرے کے نفیس پردے اور اس کا وہ خوبصورت بیڈ۔ گولڈن تاروں کی مدد سے اس کی پشت پر حسین پری بنائی گئی تھی۔ وہ ہکا بکا ہر چیز دیکھتے' کچھ چھوتے تو وہ فوراً ٹوکتی۔

"نہیں نہیں! انہیں چھونا نہیں' خراب ہو جائے گی' میلی ہو جائیں گی۔ ارے بھئی توڑ نہ دینا' آنکھوں سے دیکھو بس۔"

اور شام کو وہ اپنا البم لا کر انہیں دکھا رہی تھی تو بابا

امریکہ سے لائے تھے۔ اس میں اس کے اسکول کے فنکشنز اور اس کی ہر کامیابی کے بعد انعام لیتے ہوئے اس کے ٹیچر اور ان کے ساتھ گروپ فوٹوز۔ یہ خصوصی طور پر اس نے خود ہی البم سجایا تھا' ہر خاص موقع کی تصویروں سے سجا ہوا۔

اس کے پہلے صفحے پر ایک خوبصورت کانچ کی ننھی سی گڑیا تھی۔ صفحہ کھولتے ہی اچھل کر ڈانس کرنے لگتی۔ میوزک اسٹارٹ ہو جاتا۔ بے حد حسین البم تھا۔ ابا میاں تصویریں کم دیکھ رہے تھے گڑیا پر نظریں جم کر رہ گئی تھیں پھر البم کے بند ہونے کے بعد انہوں نے بڑے شوق سے اس گڑیا کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی۔ شاید اس کا میکنزم ٹٹولنا چاہتے تھے اس نے فوراً ٹوک دیا۔

"ارے نہیں' اسے اس طرح نہ چھوئیں۔ میکنزم خراب ہو جائے گا تو گڑیا بے کار ہو جائے گی۔ پتہ بھی ہے کتنا قیمتی البم ہے۔ آپ کی دکان کی ساری چیزوں سے زیادہ قیمت ہے اس کی۔"

ابا میاں نے یوں ہاتھ کھینچا جیسے وہ سانپ کے پھن کو چھونے والے تھے۔ رات کو اس نے مزے لے لے کر مما کو بتایا' وہ تو پریشان ہو گئیں۔

"یہ کیا کیا تم نے حریم۔۔۔ اتنی چھوٹی تو تم نہیں ہو کہ بڑوں سے بدتمیزی کرو تو معاف کر دیا جائے۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ تم نے ان کی دکان کی قیمت اس البم کے ساتھ لگائی۔ اف اسی لیے اب وہ جانے کی ضد کر رہے ہیں' بہت افسردہ ہیں توبہ توبہ۔۔۔ تم نے ان کی توہین کی ہے' معافی مانگو۔ اف۔۔۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ ہم نے تمہیں یہ سکھایا ہے؟ اتنی بڑی بات کی تم نے۔"

"تو۔۔۔ وہ بھی تو جاہلوں کی طرح ٹٹول رہے تھے خراب ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ میکنزم ٹوٹ جاتا۔ اتنا نازک ہوتا ہے۔"

"خراب ہو جاتا یا ٹوٹ جاتا تو اور آجاتا مگر کسی کا دل ٹوٹ جائے بیٹا تو وہ جڑ نہیں سکتا۔ افسوس تم نے تو شرمندہ کر دیا مجھے۔"

وہ اس قدر پریشان اور فکرمند تھیں کہ حریم کو خود پر غصہ آنے لگا۔

"دل ول کوئی نہیں ٹوٹتا مما! یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ دل کوئی شیشہ نہیں کہ ٹوٹ جائے' وہ تو گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ میں نے سائنس پڑھی ہے میں جانتی ہوں۔" اپنی غلطی ماننے کے بجائے وہ الٹا ماں کو سمجھا رہی تھی۔

وہ تاسف سے ہاتھ مل رہی تھیں۔ "پہلے تو مجھے شک تھا اب یقین آگیا کہ تم بہت ہی بے عقل ہو۔ تمہیں عقل سکھانی ضروری ہے۔ چلو بھائی میاں سے معافی مانگو ورنہ میں تمہارے بابا سے شکایت کروں گی۔"

وہ چپ چاپ ابا میاں کے پاس گئی اور ان کے سامنے جا کر شرمندگی کے ساتھ معافی مانگی۔

"آپ سوچتے ہوں گے میں بہت بری ہوں مگر ابا میاں! یہ بات نہیں ہے' بس میں اپنی چیزوں کی حفاظت بہت کرتی ہوں۔ بچپن کے کھلونے تک سنبھال کر رکھے ہیں میں نے' اچھا یوں کرتے ہیں کہ میں بچپن کے کھلونے روبی کو دے دیتی ہوں پھر تو معاف کر دیں گے آپ مجھے۔" اس نے کچھ ایسی معصومیت سے بات کی کہ ابا میاں ہنس پڑے۔ اسے گلے لگا کر پیار کیا اور مما سے بولے۔

"بہت پیاری بچی ہے اور فریحہ! تم نے اس کی تربیت بھی بہت اچھی کی ہے۔ دیکھو اپنی غلطی مان لی ورنہ آج کل کے بچے تو خود کو سقراط سمجھتے ہیں۔" حریم کو ہنسی آگئی۔ (سقراط؟)

✩ ✩ ✩

چند دن بعد ابا میاں چلے گئے۔ ایک ہفتہ بھی ان کے لیے بہت ہو گیا۔ وہ تو دکان سے ایک دن بھی چھٹی نہیں کرتے تھے۔ پتہ نہیں اس دوران کس نے دکان سنبھالی ہو گی۔ وہ تو چلے گئے مگر فریحہ فکرمند ہو گئیں۔ انہوں نے کچھ سوچ کر فیضان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کر دیا۔

"یہ کوئی خاص پریشانی کی بات نہیں۔" انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "بچی ہے' کم عقل نہیں' ناتجربے کار ہے۔ دراصل خوداعتمادی بھی کبھی کبھی ایسے مسئلے کی وجہ بن جاتی ہے۔ اصل میں خاندان سے دور رہنے کی وجہ سے اور باہر کی رہائش سے۔ وہ یہاں اور باہر کے معاشرے کے فرق کو کنفیوژ کر رہی ہے۔ ابھی اس کی فیصلہ کرنے کی عمر نہیں ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ یہاں مصلحتیں سچائی پر حاوی ہوتی ہیں۔ باہر کے ملک مصلحتوں سے عاری معاشرے پر انحصار کرتے ہیں۔ وہاں ہمارے لوگوں کی طرح جھوٹ کو غلاف میں لپیٹا نہیں جاتا جو جیسا ہے' ویسا ہی نظر آتا ہے عموماً" یہ دو طرح کے مختلف معاشرے ہم تو سمجھ سکتے ہیں' بچے نہیں۔"

"مگر فیضان! احریم کو اس معاشرے میں رہنا ہے اور ہماری تہذیب تو اس قدر بے باکی کو پسند نہیں کرے گی۔ آپ اسے سمجھائیں' صاف گوئی اتنی۔۔۔"

"ضرورت ہے کہ اسے خاندان سے ملایا جائے' قریب کیا جائے' وہ خود سمجھ لے گی کہ ہمارے معاشرے کے کیا تقاضے ہیں۔ ویسے سچ بولنے سے منع نہ کرنا یہ اس کی خوبی ہے' صاف گوئی بھی اضافی خوبی ہے۔ صرف یہ کہ اسے بڑوں سے بحث کرنے سے منع کرو۔"

فیضان کو تو بیٹی پر بھروسہ تھا کہ وہ سچ کو سچ کہتی ہے' کچی پکی نہیں رکھتی اور اس کی عمر بھی کم ہے۔ بڑی ہوگی تو سمجھ میں آجائے گا سب کچھ۔"

"آپ میرا مسئلہ نہیں سمجھ رہے۔ اگر اس طرح چھوٹ دی گئی تو وہ زیادہ نڈر ہو جائے گی اور ہماری تربیت پر حرف آئے گا۔" فریحہ جزبز ہو گئیں۔

"آپ اسے سمجھاتی رہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

فریحہ باقاعدہ اسے سمجھاتی تھیں' مثالیں بھی دیتی تھیں پھر دن گزرتے گئے' وہ پڑھائی میں مگن ہو گئی۔ معمولات حسب سابق چلتے رہے۔ فیضان کا اپنا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ فریحہ بھی سوشل ورکر تھیں۔ آئے دن گھر میں جگمگاتا لگتا۔ مرد' خواتین' ملنے والے' پڑوسی' احریم سب کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتی۔ اب وہ گھر کے مخصوص کاموں میں بھی حصہ لینے لگی۔

فیضان اور فریحہ خاصے مطمئن ہو گئے لیکن اس کی فرمائشیں اب بھی جاری تھیں اور فیضان اس کی ہر خواہش پوری کرنے کے عادی۔ فریحہ بھی کبھار ٹوک دیتیں مگر مریم کی معصوم خفگی فیضان سے کب برداشت ہوتی تھی۔

"میرے اور میری بیٹی کے معاملے میں آپ دخل اندازی نہ کیا کریں۔" وہ مصنوعی خفگی سے کہتے۔

"لڑکی ذات کو اتنا ہٹ دھرم نہ بنائیں' نہ جانے اس کی قسمت۔۔۔" وہ فکرمندی سے کہتیں۔

"ہائیں ہائیں۔۔۔ بھئی خدا نہ کرے۔ اس کی قسمت ان شاء اللہ بہت بختاور ہوگی۔ میری بیٹی تھی بختاور ہے۔ یاد ہے وہ مہینے کی تھی تو مجھے انگلینڈ میں جاب مل گئی۔ دو سال کی ہوئی تو اس میں ترقی ہوگئی۔ ہم کتنے ملکوں میں گھومتے رہے لوگ تو رشک کرتے تھے۔"

"ہاں بے شک' لیکن آئندہ کا سوچتی ہوں تو فکر تو ہوتی ہے۔"

فیضان نے محبت سے ان کے بازو کو چھوا۔ "آپ جیسے نصیب ہوں گے ان شاء اللہ۔"

"ان شاء اللہ۔" فریحہ کچھ مطمئن تو ہوئیں مگر وہ اپنے عمر کے اس دور میں بہت سنجیدہ اور معاملہ فہم تھیں۔ نہ ان کی لمبی اونچی خواہشات تھیں' نہ وہ زبان سے کسی خواہش کے اظہار کو ضروری سمجھتی تھیں۔ محدود زندگی تھی۔ چند دوست لڑکیاں' کچھ کزنز اور بس۔ اماں ابا کی محبت ہی ان کے لیے کافی تھی پھر ماموں ممانی نے ان کو اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے مانگ لیا۔

فیضان کی زندگی میں آکر انہیں محبت ملی' عزت' اپنائیت اور بے شمار خوشیاں لیکن سکون کی زندگی کم سے کم تر ہوتی گئی۔ ہلچل اور مسلسل سفر۔

فیضان تو خوش تھے' فریحہ کو یہ "ٹھکانہ چھوڑنا" قسم کی

زندگی پریشان کر دیتی مگر کیا کرتیں‘ فارن سروس میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب چند سالوں سے ان کو اپنے ملک میں رہنے کے مواقع نصیب ہوئے تھے مگر زیادہ عزیز پنجاب میں تھے۔ کراچی میں بہت کم رشتہ دار تھے جو تھے بھی وہ سالوں بعد ہی ملنے کا وقت نکال پاتے۔ زندگی اتنی تیز رفتار ہو گئی تھی۔ پنجاب میں ان لوگوں کے عزیز پھر بھی سکون کی زندگی گزار رہے تھے‘ وہاں پرانے طور طریقے بھی تھے۔ محبت اور خلوص بھی۔ اخوت‘ بھائی چارہ اور مسلسل ملاپ‘ اسی لیے وہ وہاں جا کر بہت خوش ہوتی تھیں۔

”پاپا! ہم جہاز میں بھی تو جا سکتے تھے۔“ اس نے ٹرین کے سفر سے اکتا کر کئی بار شکوہ کیا۔ دراصل ٹرین کے سفر کی تجویز فریحہ کی تھی اور فیضان فریحہ کی کسی فرمائش کو کب ٹال سکتے تھے۔ فریحہ کو اگر ٹرین کا سفر پسند ہے تو ٹھیک ہے۔ ”جہاز کے تو سینکڑوں بار سفر کر چکے‘ اپنے ملک کے راستوں سے بھی آگاہی ہونا چاہیے۔ ٹرین سے سب شہر دیکھتے ہوئے جائیں گے تو لطف آئے گا۔“ یہ فریحہ کا خیال تھا‘ انہیں اس میں کوئی برائی نظر نہ آتی۔ حریم پہلی بار ٹرین میں سفر کرے گی تو اسے بھی لطف آئے گا مگر وہ اس تیز رفتار زندگی کی عادی‘ لمبا سفر سست ٹرین۔

”کوئی حرج نہیں بیٹا! جہاز میں تو جاتے رہتے ہیں۔ ٹرین بھی ہم جیسوں کے لیے ہے۔ اتفاق سے لیٹ ہو گئی ہے۔“ وہ لوگ پنڈی جا رہے تھے۔

”جہاز سے دو گھنٹے میں پہنچ جاتے‘ یہاں تو رات بھی گزر گئی اور لاہور بھی دور ہے۔“

”دیکھو کھڑکی سے کھیتوں کی ہریالی‘ کپاس کے کھیت‘ ان میں لگے ہوئے یہ سبز رنگ کے ڈوڈے کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔“ وہ اسے باہر کے مناظر کی طرف متوجہ کرتے۔ ”دیکھو‘ کیلوں کے میلوں تک پھیلے یہ کھیت اور تم نے کھجوروں کے باغ بھی نہیں دیکھے۔“ سوتی رہتی۔

”مجھے کھجور کے درختوں اور کیلوں کے کھیت... کچھ اچھا نہیں لگتا۔“

”تمہاری ممّا کو پسند ہے‘ دیکھو مسلسل کھڑکی سے چپکی ہوئی ہیں۔“

”کتنی جلدی ہے حریم کو پنڈی پہنچنے کی۔“ فریحہ نے سامنے دیکھتے ہوئے بسورا۔ ”اور میں... جی چاہتا ہے ٹرین میں بیٹھی ہریالی دیکھتی رہوں۔“

حریم چڑ گئی۔ ”جی نہیں‘ میں تو وہاں جانا بھی نہیں چاہتی۔ آپ ہی لے آئی ہیں۔ توبہ‘ تھک گئی میں۔“

”وہاں پہنچ کر ساری تھکن دور ہو جائے گی‘ دیکھنا۔ شادی کی رونق‘ رشتہ داروں کا ہجوم‘ بہت دل لگے گا تمہارا۔“

اسے وہاں کے رشتہ دار ہی کب پسند تھے۔ نہ وہاں کا ماحول‘ توبہ پھر وہی فضول سی زندگی۔ سیلن زدہ کمرے‘ اینٹوں کے فرش کا صحن‘ شور شرابہ۔

وہ اوپر کی برتھ پر جا کر سو گئی۔ بارے پنڈی آ گیا۔ اسٹیشن پر بہت رش تھا۔ بابا نے قلی کر لیے تھے اور ان کے پیچھے اسے بھی بھاگنا پڑ رہا تھا۔ کیسے لوگ ہیں کسی کو انہیں لینے آنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ بابا ٹیکسی میں بیٹھ رہے تھے تو اس نے جو سوچ رہی تھی اظہار بھی کر دیا۔

”کیا ضرورت تھی‘ گھر بھی ہمارا دیکھا بھالا ہے راستے بھی۔ فضول کسی کو تکلیف کیوں دیں۔ ہم نے انہیں بتایا ہی نہیں کہ کب آ رہے ہیں۔“

ممّا نے تو بات ہی ختم کر دی‘ ورنہ وہ مزید میزبانوں کی بد اخلاقی پر لیکچر دے سکتی تھی۔ محلّہ بھی پھر گھر۔ براؤن دروازے کے سامنے ٹیکسی رکی۔ ڈرائیور بھی خاصا بااخلاق تھا‘ سامان اتار کر خود ہی اندر رکھ آیا۔ وہ ممّا کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔ صحن میں خاصا ہنگامہ مچا تھا۔ ڈھولک بھی ڈھمک رہی تھی۔ جو ان لوگوں کو دیکھتے ہی خاموش ہو گئی اور ایک نیا استقبالیہ عمل وجود میں آیا۔ ساری خواتین ممّا سے لپٹنے اور حریم کو چومنے میں پہل کرنے میں پرجوش تھیں۔ بانہیں بانہوں سے‘ ٹانگیں ٹانگوں میں الجھنے اور سر سے سر ٹکرانے کا عمل بدحواسی میں خوب ہوا۔ پھر چائے بن کر آ گئی اور سب نے خوب شور شرابے میں پی۔ گانے بھی شروع

ہو گئے تھے۔

صحن میں دریاں بچھا کر اور ان پر پیلے رنگ کے موٹے کپڑے ڈال کر مایوں کی رسم کی تیاری کی گئی تھی۔ شادی بڑی آپی یعنی وجیہہ کی تھی۔ جب باجی نے کہا۔

"فریحہ! تم اور فیضان کچھ دیر آرام کر لو حریم کو بھی لے جاؤ۔ بچی تھک گئی ہوگی۔" تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"باجی! آنگن کیسی؟ آپ سے اور سب سے مل کر اس دروازے سے داخل ہوتے ہی ساری تھکن اڑن چھو۔ کیوں فری!" بابا نے مما کی گواہی بھی لے لی۔

"پہلے تو ہم دلہن بیگم سے ملیں گے۔" مما نے فرمائش کی اور فہمیہ کی رہنمائی میں یہ لوگ ان کے کمرے میں گئے جہاں وجیہہ بیگم پیلے کپڑوں میں ملبوس اکیلی بیٹھی تھیں۔ شرمائی ہوئی تھیں۔ بابا اور مما سے ملیں پھر حریم کو پیار کیا۔

"چلیں باجی! اوپر کا کمرہ آپ کے لیے سیٹ کر دیا ہے۔ سامان بھی پہنچا دیا ہے۔" فہمیہ نے ان سے کہا۔

"بھئی، وہ راشد بھائی نظر نہیں آئے۔" بابا نے فہمیہ سے پوچھا۔

"جی ماموں! وہ ساتھ والوں کے گیسٹ روم میں ٹھہرے ہیں۔ آتے ہوں گے۔" فہمیہ نے بتایا۔

"چلو پھر ہم لوگ نہا دھو لیں۔" بابا کے کہنے پر فہمیہ انہیں زینے کی طرف لے گئی۔ اوپر ایک خاصا فراخ روشن کمرہ ان کا مہمان خانہ تھا۔ ان کا سامان ایک کونے میں رکھا تھا۔ مما سب طرف گھوم کر دیکھنے لگیں۔ کھڑکیاں بڑی بڑی تھیں، اس لیے کمرہ روشن تھا۔

"واہ۔ باجی نے تو کمال کر دیا۔"

مما کو نہ جانے کیا کمال نظر آیا تھا۔

"کمرہ بھی بڑا ہے اور ساتھ ہی ڈریسنگ روم، واش روم بھی۔"

"جی ماموں! اوپر دو کمرے، برآمدہ اور کچن بھی بنوا لیا ہے۔ کچن میں چائے بنانے کے لیے ساری چیزیں رکھی ہیں تاکہ کبھی آپ کا یا ماموں کا دل چاہے تو نیچے والوں کی محتاج نہ رہیں۔ یعنی جو بھی مہمان ہے، ساتھ والا کمرہ چھوٹی پھپھو کی فیملی کے لیے ہے۔"

فہمیہ نے تفصیل سے بتایا۔ مما بابا تو کچن دیکھنے نکل گئے۔ فہمیہ نے حریم سے باتیں شروع کر دیں۔ کالج میں ہو گیا ایڈمیشن، ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر وہ نیچے چلی گئی۔ مما بابا اندر آئے تو وہ ایک پلنگ پر لیٹی تھی۔ وہاں تین پلنگ تھے۔ فرش پر قالین بھی تھا اور واش روم میں صابن تولیہ۔

"ارے کمال فری! اٹھو، سارا راستہ سوتی ہوئی آئی ہو۔" مما نے ہلایا۔ "کپڑے نکالو اور تیار ہو جاؤ۔ سونے کا ٹائم نہیں ہے۔"

"تھک گئی ہوں، ٹرین میں خاک مزہ نہ آیا۔ سوائے یہ کہ بیزاری اور کوفت۔ میرا تو جوڑ جوڑ ہل گیا۔ ذرا آرام کرنے دیں۔"

وہ منہ پھیر کر لیٹ گئی۔ بابا ہنسنے لگے پھر مما نے کپڑے نکالے اور نہانے چلی گئیں۔ بابا اسے بتانے لگے کہ باجی کتنی سلیقہ مند، جوڑنے والی خاتون ہیں۔ انہوں نے کم آمدنی میں کمیٹیاں ڈال کر کفایت سے پیسہ پیسہ جوڑ کر اوپر کا پورشن بنوایا تاکہ اسے کرائے پر بھی دیا جا سکے۔

"کمیٹیاں؟ یہ کیا ہوتا ہے؟" وہ سمجھ نہ سکی، نہ بابا سمجھا سکے۔

نیچے سب ان کے منتظر تھے۔ بابا ایک بڑے شاندار سے صاحب سے گلے مل رہے تھے اور مما ایک خوبصورت سی محترمہ سے، جنہوں نے زعفرانی رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ یہ لوگ اس وقت ڈرائنگ روم میں تھے کیونکہ صحن میں خاصا شور شرابا تھا۔ باجی حریم کا ہاتھ پکڑ کر ان صاحب کے سامنے لائیں۔

"بھائی جان! آپ حریم سے ملے؟" وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ارے بھئی ماشاء اللہ، حریم بیٹی تو اتنی بڑی ہو گئی۔ میاں فیضان! کون سی بوٹی کھلائی ہے اسے۔ ہمیں بھی بتاؤ ہم چندا کو کھلائیں۔ شاید کچھ قد نکالے۔"

سب ہنسنے لگے۔ انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ بھی دیا پھر وہ ممانی کے پاس بیٹھ گئی جو زعفرانی ساڑھی والی محترمہ سے "چندا" کے بارے میں معلومات لے رہی تھیں۔ پچھلے سالوں کی نسبت گھر میں خاصا فرق تھا۔ ڈرائنگ روم کو بھی وسیع کر لیا گیا تھا اور قالین صوفے پردے سب ہی بہت بہتر حالت میں تھے۔ واہ بھئی... کیسیاں تو بڑی الو بھی چیز ہیں۔ جلاؤ کی چھری ہیں؟ پھر ایک اسی کی عمر کی لڑکی اندر آگئی۔

"امی!" وہ زعفرانی ساڑھی والی خاتون سے مخاطب ہوئی۔ "دیکھیں! ہم باہر اسٹیج بنا رہے ہیں اور آصف بھائی نہ خود کچھ کر رہے ہیں نہ ہمیں کرنے دے رہے ہیں۔ خالی شور مچایا ہوا ہے۔"

"اچھا... تم اندر آؤ ان سے ملو۔"

انہوں نے اندر بلا کر اسے سب سے ملوایا۔ وہ جلدی میں تھی حریم کو بھی باہر آنے کی دعوت دے کر نکل گئی۔ وہ بھی ساتھ صحن میں آگئی وہاں عجب قسم کی افراتفری تھی۔ ہر شخص چیخ چیخ کر ہدایتیں دے رہا تھا۔ اسٹیج بن گیا تھا البتہ اس کی آرائش کا مسئلہ تھا۔ بھی پنکی کی بنی ہوئی لمبی لمبی جھالریں تو تھیں سب کچھ چھپا کر مزید گل پھندنے لگانے کی تجویز۔ دوپٹے لاؤ، رنگین گوٹے والے چنریاں چاہئیں، اتار لو جس نے بھی۔

"ارے بھائی چھت بے شک کاغذ کی بنا دو مگر لڑیاں کاغذ والی نہ لٹکانا۔ اصلی پھولوں کی ہونی چاہئیں۔"

یہ بے حد گمبھیر آواز تھی۔ حریم نے توصیف رؤف اور انہی کی عمر کے کئی لڑکوں میں اس آواز کو ڈھونڈا۔ پیچھے ایک کرسی پر نیم دراز اور خوش شکل نوجوان پیر پھیلائے بیٹھا تھا۔ انداز نہایت لاپروا اور بے نیازی مثالی۔

"کیا ہے آصف بھائی! آپ نے مشورہ دے دیا اب تازہ پھولوں کی لڑیاں کب آئیں گی کب لگیں گی۔" یہ چندا تھی۔ کمر پر ہاتھ رکھے لڑاکا انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

"اس لیے کہہ رہا ہوں۔" وہی بے نیازی۔ "کہ یاد نہیں کاغذ کی لڑیاں معصوم ہی کی لو ہاف... ہاف... ادھر موسم ہی آئی نہیں کہ کاغذ کی لڑیاں اس کی زد میں آکر بھک سے اڑی تھیں پھر دلہن بیگم کا اچک کر بھاگنا سب دیکھیں گے اور سمجھیں گے مارے خوشی کے ڈانس کر رہی ہیں۔ دیکھا نہیں تھا سعیدہ کیسے کود کر بھاگی تھی اور وہ رفیعہ...."

حریم نے دیکھا برآمدے کے ستون سے لگی شنیہ ہنسی ضبط کر رہی ہے۔

"تو اب کیا کریں؟" "آصف بھائی پلیز۔"

"بھئی! پچھلی گلی میں ہی تو ہے پھول والوں کی دکان۔ چلو روفی میاں! پکڑو یہ پیسے اور جتنی لڑیاں آئیں، لے آؤ فٹافٹ۔ گیندے کے پھولوں کی بھی۔"

پیسے دے کر وہ اسی طرح کرسی پر جما رہا۔ شنیہ نے اشارے سے روفی کو بلایا اور پیچھے سے کہا۔

"ان کے پیسے واپس کرو میں لا دیتی ہوں۔" کہہ کر اندر غائب ہو گئی۔ روفی میاں نے آصف کو نوٹ واپس کیا اور شاید چھوٹی آپی نے ان کی بات دہرا دی۔ آصف اچھل کر کھڑا ہوا۔ شنیہ پیسے لے آئی تھی اس کے پاس جا کر درشتی سے بولا۔

"کیوں؟ کیا کہا تھا تم نے پیسے تم دو گی۔ میں کیوں نہیں دے سکتا؟ میں غیر ہوں؟ بھائی نہیں ہوں؟"

"نہیں... وہ... بس... اصل میں میرے پاس پیسے تھے تو..." وہ بوکھلا گئی۔

آصف نے قدرے جھک کر شنیہ کے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا۔

"اپنی شادی کے لیے سنبھال کر رکھ لو۔ اس وقت تم دینا میں نہیں دوں گا۔" کہہ کر آنکھوں بھینچے چارپائی پر دھم سے گرا کیونکہ وہ بری طرح سٹپٹا گئیں بول نہ سکیں کہ اپنی قیام گاہ پر جا کر جم گیا۔ چھوٹی آپی مڑ کر اندر چلی گئیں۔ روفی پھول لینے چلے گئے۔ حریم بھی کمرے میں آگئی جہاں چھوٹی آپی بڑی آپی کو شاید کچھ بتا رہی تھیں۔ بڑی آپی مسکرا رہی تھیں۔

"ٹھیک کہا انہوں نے۔ وہ میرے لیے جو بھی کریں وہ ان کی مرضی۔ میرے تو بھائی ہیں تمہارے

لیے کریں تو منع کر دینا۔"

پھوپھی آپی منہ پھلا کر باہر چلی گئیں۔ کچھ دیر وہ بڑی آپی کو باہر کے ہنگامے کا بتاتی رہی پھر خود بھی آگئی' جہاں مسند بچھانے پر مناظرہ ہو رہا تھا۔ گیندے کی لڑیاں لٹکا دی گئی تھیں۔

"پیلی چادر لاؤ۔ مایوں کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ لال چادر کل مہندی میں بچھانا۔" آصف کی ہدایتیں جاری تھیں۔

"توبہ آصف! کتنا تجربہ ہے تمہیں۔ ہر بات کی خبر ہے۔" کسی نے ہنس کر کہا۔

"یہ دیکھیے کہ ہر معاملے میں ٹانگ ضرور اڑائیں گے۔" چندا خفگی سے بولی۔

"اور خود ہل کر نہیں دیں گے' بس شور کریں گے۔"

پھر سب ٹھیک ہو گیا۔ سب مہمان صحن میں جمع ہو گئے۔ بڑی آپی کو باہر لایا گیا اور مہندی کے تھال لے کر لڑکیاں موم بتی جلا کر ڈانس کرنے لگیں۔ آصف توصیف بھی ڈانس کرنے لگے۔ ہر بار آصف ثمینہ کے پاس سے گزرتا تو چپکے سے کہتا۔

"فکر نہیں کرو تمہاری شادی میں ڈانس نہیں کروں گا۔"

وہ بے چاری گردن ادھر ادھر کر دیتیں۔ چندا ابھی وہیں کھڑی تھی' وہ ہنس پڑتی۔

مایوں کی رسم ادا ہوئی اور دولہن بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں اور پھر کھانے کا غلغلہ اٹھا۔ خواتین زیادہ' بچے اور مرد بہت کم تھے۔ مرد گو سب خاندان کے تھے' اس لیے انہوں نے ڈرائنگ روم میں ہی قبضہ کیا ہوا تھا۔ آصف کو بھی بار بار باہر بلایا جاتا رہا' وہ بہانے بناتا رہا۔

"ابھی کام کر رہا ہوں نا۔" یا "چچا میاں سے کہو' بہت مصروف ہوں۔ کھانا تقسیم کر رہا ہوں ورنہ یہاں شور مچ جائے گا' سب کو لیگ پیس چاہیے۔"

موقع ملتے ہی اس نے مما سے پوچھ ہی لیا' اپنی حیرانی کم کرنے کے لیے۔

"مما! گھر کے حالات تو بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ شاید تایا صاحب نے مدد کی ہو گی یا۔۔۔ بابا نے۔۔۔ پہلے تو سب کے لیے پلنگ بھی پورے نہ تھے' فرنیچر بھی بدل گیا ہے۔ اور۔۔۔ توصیف بھی سنا ہے اچھے کالج میں ہیں۔"

مما کپڑے تہہ کر کے رکھ رہی تھیں۔ ان کی عادت تھی' وہ اتارے ہوئے میلے کپڑے بھی تہہ لگا کر رکھتی تھیں۔ جگہ بھی کم گھرتی تھی اور ان کے خیال میں یہ تمیز اور سلیقے کی نشانی بھی تھی۔

"مدد اور بیلگ۔۔۔؟ یہ ہو نہیں سکتا۔" مما یقین لہجے میں بولیں۔ "یہ دونوں میاں بیوی بہت خوددار ہیں۔ کوشش ان کی یہی ہوتی ہے کہ کسی سے کمتر نظر نہ آئیں' اس کے لیے انہیں خصوصاً" باجی کو بہت مشقت کرنا پڑتی ہے۔ اب جو بہتر حالات نظر آتے ہیں' یہ باجی کے سلیقے' دوراندیشی اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے ہیں۔ کم آمدنی میں کمیٹیاں ڈال کر' سلائیاں کر کے' بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر' چٹنی روٹی کھا کر خدا کا شکر ادا کیا اور کبھی کسی سے مدد نہ لی نہ ہی دال روٹی کھاتے ہوئے بھی شرمندہ ہوئیں۔"

"اور وہ۔۔۔ جو آپ لفافے بھیجا کرتی تھیں۔"

"ہاں۔۔۔ خاص خاص موقعوں پر۔۔۔ قسمیں دے کر مجبور کرتی تھی۔ بچوں کو عیدی بقر عیدی کے نام پر۔ اور جب بھی ہم آتے' خاطر تواضع میں کمی نہیں کرتی تھیں۔ پچھلی مرتبہ تم کو اسی لیے بھیجا' ہم نہیں آئے کہ ان دنوں ان کے حالات کچھ خراب تھے۔ ہماری وجہ سے ان پر بوجھ آجاتا۔ اصل میں دکان پر جو لڑکا ملازم تھا' وہ ہیرا پھیری کرتا رہا۔ بھائی میاں کو خبر نہ ہوئی پھر وہ ہزاروں روپے اور سامان لے کر بھاگ گیا۔ اب تو اللہ نے آصف کی شکل میں فرشتہ بھیج دیا ہے۔"

"فرشتہ۔۔۔؟ کیا یہ آصف فرشتہ ہیں؟" اسے مما کی بات جچی نہیں۔ وہ ہنس دیں۔

"ارے بھئی! یہ راشد بھائی کا بیٹا ہے۔ بھائی میاں کا بھتیجا۔ ایم بی اے کر کے یہاں آفس میں جاب کر رہا ہے۔ اب دکان کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے' بھروسے کا ملازم بھی رکھ دیا ہے۔"

حریم کی عقل گم تھی۔ کہاں تو راشد (تایا) صاحب' بارعب اور زبردست شخصیت کے مالک اور کہاں یہ ابا میاں' پتلے دبلے کچھ جھکے ہوئے۔ قد و قامت میں بھی بڑے بھائی سے کم اور حیثیت میں کمتر۔

اور آصف۔۔۔ چندا۔۔۔ دونوں بہن بھائی بھی بہت دراز قد اور زبردست رنگ کی وجہ سے نمایاں تھے۔

اگلے دن مہندی میں بھی دونوں اپنے خوب صورت چمکتے لباس کی وجہ سے بہت خاص لگ رہے تھے۔

ثمینہ' ثنیہ کی ایک پھپھو اوپر کے کمرے میں ہی اپنی بیٹی اور بہو کے ساتھ مہمان تھیں' خاصی دلچسپ تھیں۔ ان کی بیٹی اور بہو بھی سب سے بے تکلف تھیں۔ کبھی کچن میں کچھ کر رہی ہیں' کھانا نکال رہی ہیں' بستروں کا انتظام کر رہی ہیں' کھانے کے لیے ایک ایک کو پکڑ کر لا رہی ہیں۔ مہمان بہت زیادہ تو نہ تھے مگر سب کا جمع ہونا مشکل ہوتا۔ آصف کی شامت آئی رہتی کیونکہ وہ کبھی بھی کھانے پر مجبور نہ ہوتے بلکہ ہی دلہن بیگم سے کانا پھوسی کرتے پائے جاتے تو کبھی چھت پر کرکٹ کھیلتے۔ شمع بھابھی ہر بار انہیں کان سے پکڑ کر لاتیں۔ برآمدے میں ڈائننگ ٹیبل تھی' آکر ہی پر تکمیل کرتیں۔

"ڈھیٹو اور نکھٹو۔" کبھی کہتیں۔ "ثنیہ' کوئی زنجیر لاؤ' اس بھگوڑے کو میں باندھ کر رکھوں گی۔ حد ہوگئی۔"

اور وہ ہاتھ جوڑتا۔ "پلیز بھابھی! خود ہی اپنے دوپٹے سے باندھ دیجیے۔ ثنیہ تو سچ مچ زنجیر لے آئے گی۔ اسے تو موقع ملے ایسا' ہرگز نہیں چھوڑے گی۔"

"اچھا ہے تم ہو ہی اسی قابل۔ چھت پر پڑوس کی حسینہ کو تاک رہے تھے۔"

"ہائے' یہ الزام۔ میرا کردار داغدار نہ کریں' ابھی تو بچہ ہے۔"

"ہاں' ابھی تو تمہیں بہت سی حسیناؤں کے دیدار کرنے ہیں مگر میرے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہوگا۔"

بھابھی بھی زبردست تھیں۔

"ویسے بھی میں ایک پر ہی بس کرلوں گا۔"

معصومیت ختم تھی۔

ہنسی مذاق' فقرے بازی' "گانا بجانا" سب کچھ ہوتا رہا۔ حریم کسی سے بھی بے تکلف نہیں ہو سکی لیکن وہ سب کے ساتھ بیٹھتی تھی' کبھی کوئی بات بے زار کر دیتی' کبھی خوش ہوتی۔

٭ ٭ ٭

آخر شادی ہو گئی' ایک ہال میں بارات آئی۔ ثنیہ دلہن بن کر خوب صورت لگ رہی تھی۔ شادی کا جوڑا بھی خوش رنگ اور خوب صورت تھا۔ دولہا بھی دراز قد اور گندمی رنگ کا تھا۔ اچھے خاصے خوش حال لوگ تھے۔ بڑی آپی رخصتی کے وقت ثنیہ سے لپٹ کر خوب روئیں۔ آصف صاحب یہاں بھی ٹپک پڑے۔

"اوہو۔۔۔ بجو۔۔۔ اپنی شادی پر دل کھول کر رونا' میری بہنا کو نہ رلاؤ۔"

چھوٹی آپی کو باقاعدہ دھکا دے کر ہٹایا' چندا نے ثنیہ کو وہاں سے ہٹایا۔ سب گھر آئے تو اداس تھے۔ ثنیہ سب لوگوں میں مقبول تھی' سب اس کی نیکی' خدمت' خوش مزاجی کا ذکر کر رہے تھے جو اب پرائی ہو چکی تھی۔ سلیقہ اور وہ مہندی' سب کا خیال رکھنا۔ کس کس چیز کا ذکر کیا جائے' پھپھو بہت معترف تھیں۔

"کاش۔۔۔ دوسری میں بھی یہ خوبیاں ہوتیں۔"

آصف سر جھکائے ثنیہ کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ترنت اٹھ کر اندر چلی گئی۔

اگلی صبح ایک اور ہنگامہ لیے طلوع ہوئی۔ دولہا دلہن کے لیے ناشتہ بنایا جا رہا تھا۔ میزبان' مہمان سب کچن میں گھسے کچھ نہ کچھ کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ آوازیں شمع بھابھی اور آصف کی تھیں۔ بھابھی وہیں تھیں۔ حریم نیچے گئی تو عجب افراتفری تھی۔ کوئی توس کھا رہا ہے انڈے کے ساتھ' کوئی نان کباب پر ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ کسی کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ آصف کے اعتراضات' شمع بھابھی کی ڈانٹ ڈپٹ' باجی کی پکار۔

"ارے مردوں کے لیے ناشتہ بھیج دو' انہیں کب

قصور کی سزا مل رہی ہے۔ گیارہ بج گئے ہیں اور ناشتہ۔"

"بھیج دیا' بھیج دیا' سب کر چکے۔ اب سمدھیانے بھیجنے کا کیک کیا جا رہا ہے۔ آپ فکر نہ کریں' یہ بتائیں کون کون جائے گا ناشتہ لے کر۔"

مما' باجی کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ حریم پریشان ہو رہی تھی۔ "ہائے دولہا دلہن بے چارے ابھی تک بھوکے بیٹھے ہوں گے۔ ناشتہ یہاں سے جائے گا' کب جائے گا' کب پہنچے گا' بے چارے بہت غریب ہیں کیا؟"

"بھئی شادی شدہ لڑکیاں جاتی ہیں۔ فریحہ اور شمع۔"

"ہائے مجھے بھی شادی شدہ کر دیتیں تو میں بھی جاتا۔" پردے سے لپٹا آصف شرمانے کی ایکٹنگ کر رہا تھا' سب کو ہنسی آ گئی۔

"تمہیں تو ابھی میں شادی شدہ بناتی ہوں' ٹھہرو۔" شمع بھابھی عین وقت پر نمودار ہو گئیں۔

"ہائے... سچ...؟" مارے شوق کے پردہ ہاتھ سے نکل گیا۔

"بے شرم۔" شمع بھابھی ہنس پڑیں' پھر مما سے کہا۔

"ماں! میں نے فون کیا تھا' ہنیہ کی ساس نے کہا ہے' یہاں تو ابھی سب سو رہے ہیں۔ اس طرح آئیں کہ ایک بجے تک پہنچیں۔"

"تو یہ ناشتہ ہو گا کہ لنچ۔" آصف نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بھابھی میرا خیال ہے' وہ لوگ لنچ کے منتظر ہیں' کر لیں انتظام۔"

شمع نے دھپ لگایا۔ "آصف! عورتوں کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑانا۔ تم ڈرائیور ہو' تمہیں تو جانا ہی ہے اور لڑکیاں سب تیار ہو رہی ہیں۔ کیا میں اور فریحہ ہی لے جائیں ناشتہ؟ نہیں جی' ہنیہ' چندا' حریم' ارمین' توصیف' آصف سب جائیں گے۔" فیصلہ ہو گیا۔ باجی پریشان ہو گئیں۔

"اچھا جیسی تمہاری مرضی مگر فریحہ! تم ضرور جاؤ' مجھے لڑکیوں کا جانا اچھا نہیں لگ رہا۔ حریم بیٹا تم بھی تیار ہو جاؤ۔"

ایک مرحلہ طے ہوا۔ ایک گاڑی آصف کی تھی' دوسری ان کے والد کی۔ حریم آصف کی گاڑی میں جانا چاہتی تھی مگر اسے علم نہ تھا۔ کون سی گاڑی اس کی ہے' وہ ہنیہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

دوسری گاڑی کو مما نے ڈرائیو کرنا تھا اور دونوں ڈرائیور باہر کھڑے کسی بحث میں الجھے تھے۔ شمع بھابھی' فرح' ارمین اور توصیف۔ ایک گاڑی میں ہنیہ' چندا اور ناشتہ تھا اور اسی میں مما ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھیں۔ دوسری پر آصف۔ وہ اپنی جلد بازی پر پچھتا گئی۔

راستہ بہت خوبصورت' سڑکیں کشادہ' اطراف میں ہریالی' جنگلی پھولوں کی مہک' چندا کی شوخیاں' حریم کا ذہن دوسری آگے جانے والی گاڑی کے اندر کی شوخیوں میں الجھا ہوا تھا۔ جی 10 کے ایک وسیع بنگلے کے گیٹ کے سامنے گاڑیاں جا رکیں۔

آصف ہارن پر ہارن دیتا رہا' اندر سے ہنستے کھلکھلاتے لڑکے لڑکیاں برآمد ہوئے اور سب کو لے کر اندر آ گئے۔ لاؤنج میں چند خواتین جمع تھیں' سب نے اٹھ کر استقبال کیا۔

پھر دولہا دلہن بلائے گئے۔ ناشتہ میزوں پر سجایا گیا۔ چندا ان کے کچن میں جا گھسی اور ناشتہ گرم کرنے میں مصروف ہو گئی۔ سب گھر والے اور ان کے مہمان بھی آ گئے۔ ناشتہ بہت کافی تھا۔

دلہن ہلکے گلابی رنگ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ سادہ چہرہ' معصوم وجود۔ چہرے سے نہیں آنکھوں میں خوشی کی چمک ضرور تھی۔ ناشتے کے بعد سب پھر لاؤنج میں آ گئے۔

ہنیہ کے آس پاس شمع اور فرح جا بیٹھیں۔ چندا اور حریم ایک جگہ تھیں۔ مما میزبان خاتون کے ساتھ ذرا فاصلے پر بیٹھی تھیں۔ شمع بھابھی نے ہنیہ کو راستے میں ہونے والی گفتگو آصف کے چٹکلے سنائے۔

"ہنستے ہنستے پیٹ میں درد ہو گیا۔ توبہ میری' آصف نے کسی طرح چپ ہونے کا نام نہیں لیا۔"

ہنس ہنس کر آنکھوں سے اتنے آنسو بہے کہ سارا میک اپ ڈھل گیا۔ "فرح شکوہ کرنے لگیں۔ "دیکھو ذرا کیسا چہرہ ہو رہا ہے چتکبرا۔ ہے نا؟"

اور بے چاری شنبہ کے تو ایسے ایسے لطیفے بنائے کہ وہ بھی تو گاڑی سے چھلانگ لگا دیتی۔

شمع جا رہی تھیں اور الگ بیٹھی شنبہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا غصے سے۔ وہ تلملا رہی تھی اور اپنا غصہ اندر ہی مارنے پر مجبور تھی کہ آصف وہاں تھا ہی نہیں۔ وہ اور توصیف مردانے ڈرائنگ روم میں تھے۔ مما نے شنبہ کو لے جانے کی اجازت مانگی تو ساس نے معذرت کر لی۔ چونکہ رات کو ولیمہ تھا اور چار بجے دلہن کو پارلر جانا تھا، وقت کم ہے۔ واپسی میں چند از زبردستی شنبہ کو اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی آصف کی گاڑی میں۔ مما حریم کو اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ اس لیے واپسی میں توصیف ارمین ان کے ساتھ تھے۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ اب تو چھوٹی آپی بھی تھیں اور بھی زیادہ لطیفے بیان ہو رہے ہوں گے۔

✿ ✿ ✿

ولیمہ پی سی میں تھا۔ بہت ہی شاندار۔ دولہا دلہن بہت اچھے لگ رہے تھے۔ آصف اسٹیج پر ان کو ہدایتیں دے رہا اور ان کی تصاویر بناتا رہا اور جب شنبہ، ارمین، توصیف، روبی، دولہا دلہن کے ساتھ گروپ فوٹو بنوانے لگے کیونکہ ابا میاں اور باجی اس تقریب میں شریک نہیں ہوئے۔ (وہی پرانے رواج)

آصف تصویریں بناتے ہوئے شنبہ پر مسلسل اعتراض کرتا رہا جو سر پر دوپٹہ لے کر آدھا چہرہ بھی چھپائے بیٹھی تھی۔ حریم نے مما پاپا کے ساتھ دولہا دلہن کے پاس بیٹھ کر گروپ بنوایا۔ تصویروں کا سلسلہ طویل ہو گیا۔

حریم اکتا گئی۔ مما نے پاس بیٹھی فرح سے کوئی سوال کیا۔ فرح نے بتایا کہ دولہا کے والد کسی زمانے میں پنڈی میں رہتے تھے۔ ماموں جان سے صاحب سلامت تھی۔ ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے۔ وہ ایک دفعہ اپنی بیگم کو بھی باجی سے ملانے لائے تھے۔ بس جب سے ہی ان کے درمیان تعلقات برادرانہ ہو گئے پھر یہ لوگ اسلام آباد منتقل ہو گئے۔

کئی سالوں بعد فرید کی امی یہاں ماموں جان کے گھر آئیں۔ شنبہ کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئیں اور جم کر بیٹھ گئیں کہ مجھے تو اسی گھر سے لڑکی لینی ہے۔ اقرار کیے بغیر ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس طرح یہ چٹ منگنی پٹ بیاہ ہوا۔

فرح تو مما کے ساتھ مزید تفصیلات میں مصروف ہو گئیں۔ حریم سوچنے لگی۔ "آج کل کے زمانے میں ایسا بھی ہوتا ہے؟ لڑکے نے لڑکی کو دیکھا نہ لڑکی نے اور ان لوگوں کا معیار زندگی تو خاصا بلند ہے۔ بیٹا بھی اسمارٹ، بہترین جاب، کوٹھی کا مالک اور یہاں؟ بڑی آپی خوش شکل ہیں مگر تعلیم ہے نہ معاشی طور پر ان لوگوں کے برابر۔ اعلا سوسائٹی میں کس طرح حصہ لیں گی۔ ابا میاں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ دکان دار؟ ان لوگوں نے کچھ سوچا ہی نہیں۔ پتہ نہیں کیا دیکھا۔ معمولی دکان دار سے رشتہ جوڑنا بہت ہی ہمت کی۔"

حریم کی عمر کی سب لڑکیاں ہی شاید اسی طرح سوچتی ہیں۔ معاشرہ صرف دولت مندوں کی جنت ہے۔ خوشیاں صرف پیسے والوں کے لیے ہیں۔ معمولی دکان دار، شریف اور ایمان دار لوگوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اونچی سوسائٹی سے رشتہ جوڑیں۔ "امیروں میں بھی ویسے کر برابری کا دعوا کریں۔ برابری؟ وہ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ کوٹھیوں کے مالک غریبوں کے رشتوں سے رشتہ جوڑیں پھر بھی حیثیت تو نہیں بدلتی۔ غریب امیر نہیں ہو جاتے۔ چلو کم از کم بڑی آپی کی بہتر حیثیت سے ٹھہر جائے تو خوش ہوں گے۔"

چچی کے اصرار پر شنبہ کی ساس نے دلہن کو میکے جانے کی اجازت دے دی اور شنبہ کا میکے آنا ایسا تھا جیسے کوئی وزیر سفیر یا کوئی اعلا ہستی گھر آئی ہو۔ دولہا ساتھ آئے مگر کچھ دیر بعد چلے گئے اور گھر میں جو ہلچل مچی تو ہر بندہ بشر دولہا دلہن کے سامنے خاطر میں مصروف۔ حریم تو اوپر آ گئی۔ کپڑے بدل کر لیٹ گئی۔

تھکن ہو گئی تھی' اسے نیند بھی آ گئی۔ مما بابا نہ جانے کب آئے اور صبح اٹھتے ہی اس نے مما سے شکوہ کیا۔

"آپ تو مجھے بھول ہی گئیں۔ اتنی دیر تک اکیلی پڑی آپ لوگوں کا انتظار کرتی رہی پھر تھک کر سو گئی۔ ایسا کیا ہو رہا ہے نیچے۔"

"تم بھی نیچے آ کر دیکھو یقیناً کیا ہو رہا ہے؟ تمہیں بھی لطف آتا۔" مما خوش دلی سے بتانے لگیں۔

"ہونہہ... مجھے بور لوگوں سے کیا دلچسپی۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"اس طرح نہیں کہتے حریم! اتنے اچھے تو ہیں سب اور ہم یہاں شادی میں شریک ہونے آئے ہیں' بور ہونے نہیں۔ یہ سب ہمارے اپنے ہیں۔ ہمیں ان کی خوشی میں شریک ہونا ہے' سمجھیں۔"

"ہو تو گئے شریک۔" وہ منہ پھلا کر چیخی۔ "عام سی معمولی شادی کے لیے اس قدر جوش و خروش مما... آپ تو جیسے بدل جاتی ہیں یہاں آ کر۔"

"ہاں' اپنوں کے ساتھ' اپنوں میں مل کر... وہ مصنوعی غلاف اتر جاتا ہے جو ہم ایک چمک دار ماحول میں جھوٹ موٹ کی اداکاری کے ذریعے خود کو اعلا و ارفع ہستی شو کرتے ہیں تاکہ اس فریبی دنیا میں عزت دار کہلائیں۔" مما سنجیدہ ہو گئیں۔

"مگر حریم! عزت کے حق دار وہ سرمایہ دار دولت مند نہیں جو رشوت' بے ایمانی' دغا بازی' بد دیانتی سے سرمایہ حاصل کرتے ہیں۔ عزت دار تو ایمان دار اور حلال رزق کمانے والے ہیں۔ ایک وقت کیا دونوں فاقہ کریں گے' حرام کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔ بیٹا! ہم ان ہی لوگوں میں ہیں۔ یہ... بھائی میاں... باجی جیسے محنت کش' صابر و شاکر' محبت اور خلوص سے بھرے ہوئے۔ ہم صرف دکھاوے کے لیے اونچی سوسائٹی کا حصہ بنتے ہیں مگر ہیں تو ان ہی لوگوں کے عزیز ان ہی جیسے محنت کش قسمت نے ہمیں کچھ زیادہ دے دیا ہے مگر خون ایک ہے' جد و جہد ایک جیسی۔"

مما خاصی رنجیدہ تھیں' حریم حیران انہیں دیکھتی رہی۔ ان کے چہرے پر عجیب سا ملال تھا۔

"مما! کیا ہو گیا ہے پلیز مجھے بتائیں' اچھا رات کو نیچے کیا ہو رہا تھا' بتائیں۔"

مما کو اداسی سے نکلنا ضروری تھا' کچھ دیر بعد وہ بھی مما کے ساتھ ہنس رہی تھی۔

"آصف نے رات دولہا دولہن کو بہت تنگ کیا۔ طیبہ ثنا کر اور ثمینہ کو ستانے کے لیے اسے ہی ٹارگٹ بنایا۔ ثمینہ تو منہ پھلا کر کمرے میں چلی گئی اور دولہا کے جانے کے بعد بھی ہم ہنستے رہے' تم ہوتیں تو تمہیں بہت لطف آتا' نیند بھاگ جاتی۔"

بابا نے آ کر کہا۔ "ارے بھئی' یہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ نیچے سب ناشتے کے لیے بلا رہے ہیں۔ بیگم! رات کو آپ نے شمع کے ساتھ پروگرام بنایا تھا ناشتہ بنانے کا اور ابھی تک آپ نیچے نہیں آئیں۔ بے چاری شمع اکیلی لگی ہوئی ہے۔"

بابا ناراض تھے۔ حریم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"بابا! کیوں بھئی' مما کیوں ناشتہ بنائیں گی؟ اتنے لوگ ہیں بنا لیں۔"

"حریم..." بابا نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "یہاں کوئی نوکر تو نہیں ہے جو ناشتہ بنا کر سامنے رکھے گا۔ سب مل جل کر ہی کرتے ہیں۔ اکیلی ثمینہ کیا کیا کرے۔"

"بابا! آپ بھی مجھے بھول گئے۔ رات اتنی دیر سے آئے' میں تو سو بھی گئی۔"

"بیٹا! یہ طیبہ' رامین' چندا' افق سب میری بچیاں ہیں۔ مجھے بہت پیاری ہیں اور شمع تو بہو ہے' مگر ایسے طرح گھل مل گئی کہ لگتا نہیں غیر گھر سے آئی ہے۔ تم بھی ان کے ساتھ کام کرایا کرو' اچھا لگتا ہے۔"

حریم حیران ہی نہیں پریشان ہو گئی' یہ ان دونوں کو ہو کیا گیا۔ حریم سے تو کبھی بابا نے کام کا نہیں کہا تھا۔ وہ شوقیہ کچھ کرتی تھی تو فوراً مما سے کہتے۔ "اسے کام میں لگا دیا' اسے پڑھنے دو بس" اور آج...

"بابا! آپ کی بیٹی بس میں ہوں اور کوئی نہیں۔" بسوری۔

"اچھا اچھا... بیگم! آپ تو چلیں میں اپنی بیٹی کو

لے کر آتا ہوں۔"

بابا نے اسے لپٹا لیا۔ کچھ دیر اس کے شکوے سنتے رہے' وضاحتیں دیں پھر نیچے لے کر آئے۔ باجی کے کمرے میں ناشتہ ہو رہا تھا کیونکہ ان کی طبیعت خراب تھی۔ وہاں ماما تھیں' پھپھو' ثنیہ' رامین اور ردا۔ جب وہ بیٹھ گئی اور پلیٹ پکڑ لی تب پتہ چلا ڈرائنگ روم میں باقی سب ہنیہ کے ساتھ ناشتہ کر رہے ہیں۔ وہاں سے ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ پچھتائی۔

"میں وہیں چلی جاتی بابا کے ساتھ۔" فرح' شمع' چندا' آصف اور توصیف ڈرائنگ روم میں تھے اور آصف کی امی بھی۔ چندا نے پکار کر کہا۔

"ثنیہ ادھر آجاؤ' ہنیہ تمہارے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتی ہیں۔"

"تم تو ہو' تم کرلو۔ میں یہاں ٹھیک ہوں۔" ثنیہ نے ٹکا سا جواب دیا۔

"آصف نے وہاں رونق لگائی ہوئی ہے۔" پھپھو نے محبت سے کہا۔ "اور سونے پہ سہاگہ شمع کی باتیں' اکسائی رہتی ہیں۔"

"اچھا ہے نا آپا! شمع کی وجہ سی کتنی رونق ہے۔" ماما مسکرائیں۔

"ثنیہ! کتنی بری بات ہے۔" چندا کا چہرہ دروازے میں نمودار ہوا۔

"وہاں سب مہمان بے چارے اکیلے ناشتہ کریں اور تم میزبان یہاں۔"

"تم بھی میزبان ہو' تم میری جگہ میزبانی کرلو۔ جاؤ شاباش۔" ثنیہ نے ٹالا۔

حریم کا جی چاہا' چندا اسے بھی بلائے تو وہ ذرا بھی نخرا نہ کرے اور ادھر کی پرلطف محفل میں شریک ہو۔ ایک آصف ہی تو تمام لوگوں میں اس کے معیار کے مطابق تھا اور وہ ہر بار اس کی محبت سے پیچھے رہ جاتی تھی۔ ابا میاں اور بابا باجی کے کمرے میں آگئے۔ بہت خوش مطمئن۔ ابا میاں کا تو چولا ہی بدل گیا تھا۔ چاق و چوبند' خوش باش' آسودہ اور خود اعتماد۔ بابا کے ساتھ کھڑے ہوئے کچھ بہت برے بھی نہیں لگ رہے تھے۔

"شکر ہے حلمہ! بہت مبارک ہو' تم ایک فرض سے تو نبٹ گئے۔" پھپھو نے بہت محبت سے کہا۔

"جی آپا! آپ لوگوں کی دعائیں ہیں۔" ابا میاں شرما سے گئے۔

"اگر بھائی کی بات مان لیتے تو دوسرا فرض بھی ادا ہو جاتا۔ کیسی بے فکری ہو جاتی۔ تم نے پتہ نہیں کیا سوچ کر ٹال دی بات۔" پھپھو نے کہا۔

"ارے آپا!" باجی جلدی سے بول پڑیں۔ "ہتھیلی پہ سرسوں جمانے والی بات ہے اور ابھی تو مجھے ثنیہ کی بہت ضرورت بھی ہے۔ وہ چلی گئی تو میری گھرداری تو مشکل ہو جائے گی۔"

"تو یوں کہو' تم نے اپنے فائدے کے لیے حلمہ سے انکار کروایا۔" پھپھو خفگی سے بولیں۔

"فائدہ بھی ہے اور کیا! اتنی جلدی سب کچھ ہونا بھی تو مشکل تھا۔" باجی بے چارگی سے بابا کو دیکھنے لگیں۔ "اس کا بھی تو حق ہے کہ بڑی کی طرح ہی بھی رخصت ہو۔ ہم نے تو اس کی بہتری کے لیے ہی ایسا سوچا تھا۔"

"ارے بھئی' ثنیہ کی شادی ابھی ہو جاتی تو ہم ایک اور پرلطف فنکشن سے محروم ہو جاتے' کیوں بھائی میاں!" بابا ابا میاں سے مخاطب تھے۔

"دوسری بار لطف کے لیے' اپنا تو چانس گیا۔" آصف دروازے میں کھڑا تھا۔ فرح کی اوٹ میں' فرح نے اس کو گھونسا رسید کیا۔

"باجی!" فرح نے باجی کو پکارا۔ "ہنیہ کو لینے کے لیے دولہا میاں کب آئیں' فون آیا تھا۔"

"ارے لو' ناشتے میں ہی آدھا دن گزر گیا۔" باجی بوکھلا گئیں۔ "فریحہ بی بی! تم کچن دیکھ لو۔ دوپہر کا کھانا تو ان کو کھلانا ہے' پتہ نہیں وہاں کیا ہو رہا ہوگا۔"

"اوہو باجی' فکر نہ کریں۔" فرح بولی۔ "فریحہ' ماہی اور شمع بھابھی نے دوپہر کے لیے تیاری کرلی ہے۔ میں انہیں دو بجے کا کہہ دوں؟"

"ہاں بیٹا! کہہ دو۔ شہدے سے کہو وہ کھیر بنا لے ابھی پڑی جائے۔"

"وہ تیار ہو چکی ہے' ایک آپ ہی خاندان میں سلیقہ شعار نہیں۔ ہم بھی کچھ نہ کچھ کر ہی لیتے ہیں۔" فرح نے فخر سے کہا۔ "بادام چھیں کر ملا دیے ہیں' کھویا ڈال دیا ہے اور...."

"ارے بادام چکھ بھی لیے تھے کہ کڑوے ہی ڈال....."

"چلیں' آج کڑوی کھیر بھی دولہا بھائی کو کھلا دیں گے۔ رات آصف نے ان کو کڑوی چائے پلائی۔ پان بھی کڑوا نمک والا کھلایا۔ کھا گئے آرام سے۔"

فرح ہنستی ہوئی چلی گئی۔ باجی مسکرا دیں' وہ بھی خاصی مطمئن اور بے فکر ہو گئی تھیں۔ ایک بیٹی کی شادی نے ہی دونوں میاں بیوی کو کیسی بے فکری عطا کی تھی۔

☼ ☼ ☼

واپسی کا سفر بابا نے حریم کی وجہ سے جہاز میں کرنا بہتر سمجھا۔ جب یہ لوگ آ رہے تھے' سب بے حد افسردہ تھے۔ مما کے آنسو تو جہاز میں بیٹھنے تک نہیں رکے جبکہ حریم بہت خوش تھی۔ اپنا شہر' اپنا گھر' اپنا کمرہ اور پڑھائی.....

وہ سب کچھ بھلا کر دل لگا کر پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ وہاں شادی کے گھر میں خواتین "عموماً" اس قسم کی باتیں کرتی رہی تھیں۔

"لڑکیاں تو پرائی ہوتی ہیں' اصلی گھر تو ان کا سسرال ہوتا ہے۔ ماں باپ برسوں خون پسینہ ایک کر کے محبت سے پالتے ہیں اور کوئی غیر آ کر اپنا بنا کر لے جاتا ہے ہمیشہ کے لیے۔"

اس نے سوچا۔ "میں اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں اپنے ماں باپ کا بیٹا بن کر دکھاؤں گی۔" بابا تو کتنی دفعہ اپنی خواہش ظاہر کر چکے تھے کہ وہ بہت زیادہ پڑھے' بہت اعلا رتبہ پائے اور اسے بابا کی خواہش پوری کرنی تھی جس طرح وہ اس کی ہر بات مانتے تھے۔

"مجھے یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جانا" اس گھر سے زیادہ شان دار گھر اور کہاں ہو گا۔ اتنے اچھے مہربان ماں باپ بھلا کس کے ہو سکتے ہیں۔ نہ اتنا آرام کہیں اور مل سکتا ہے اور ہر مرد۔ بابا جتنا شریف بھی نہیں ہو سکتا۔ مما کی کتنی قدر کرتے ہیں اور وہ.... جس سے میری شادی ہو گی' پتہ نہیں کیسا ہو گا۔ اس کے ماں باپ.... اگر وہاں میری قدر نہ ہوئی۔ نہ بابا.... شادی بالکل نہیں۔ وہ فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئی پھر اس کے لیل و نہار اپنے مقاصد کے حصول کی خواہش میں گزرنے لگے محنت محنت۔

☼ ☼ ☼

پھر ایک دن اپنی کلاس فیلو کے ساتھ اپنی دوسری دوست کے لیے کوئی گفٹ لینے ایک شاپنگ مال میں داخل ہو رہی تھی' اسے خوشگوار حیرت کا سامنا ہوا۔ اوپر کی منزل سے اترتے ہوئے آصف اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

حریم بھی رک گئی۔ "ارے.... آپ...."

"اسلام نہ دعا' صرف کلام....؟ ہاں بھئی کل آیا تھا' آفس کی طرف سے۔"

"ہماری طرف بھی آئیے۔" آصف سے روبرو گفتگو کا پہلی بار موقع ملا تھا۔

"آؤں گا' ابھی تو جلدی میں ہوں۔ یہ کچھ ضروری سامان لینا تھا۔" ہاتھ میں پکڑے بنڈل کو دکھا کر وہ نیچے روانہ ہو گیا۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی تھی کہ ماریہ نے ٹوکا۔ "کدھر کھو گئی حریم! یہ کس کون ہے؟"

"میرے کزن ہیں' پنڈی میں رہتے ہیں۔" وہ سنبھل گئی۔

"اوہ یار.... زبردست پرسنالٹی ہے مگر لفٹ نہیں کرائی تمہیں۔"

"جلدی میں تھے' گھر آنے کا کہا ہے۔" وہ ٹال کر آگے بڑھ گئی۔ اس کا دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ تنی طرح کی کیفیت طاری ہو گئی۔ گھر آئی تو مما نے

بس کرتا تھا۔

"ارے حریم! آصف کیا ہوا ہے، تمہارے پاپا کے پاس فون آیا تھا۔" ممّا خوش نظر آرہی تھیں۔

"جی ممّا! مجھے ملے تھے مارکیٹ میں، کہہ رہے تھے آؤں گا۔"

"ہاں مگر یہ نہیں بتایا کب آسکے گا۔ آفس کا اہم کام ہے، خیر دیکھو۔"

ممّا خوش تھیں، منتظر تھیں، پاپا بھی منتظر تھے۔ کئی دن کے بعد وہ پاپا اور گھر کے سناٹے کو اس طرح توڑا کہ قہقہوں کی گونج شام سے رات گئے تک گھر کے درودیوار اور چھتوں تک بھر جاتی۔ اس کی آواز ہی خوشی و انبساط کا پیغام دیتی لگتی تھی۔ شاید اس لیے کہ ان کے گھر کوئی نوجوان اس قدر بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا کیونکہ آنے والے کوئی قریبی عزیز تھے نہیں۔ ملنے ملانے والوں میں نوجوان ہوتے بھی تھے تو وہ ڈرائنگ روم تک محدود ہوتے۔ پاپا کے پاس آتے اور چلے جاتے۔ کچھ دور کے عزیز بھی کراچی میں تھے، ان سے بہت کم، کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی۔ آنے والے محتاط رویہ رکھتے، لیکن آصف، یہ تو قہقہوں کا خزانہ تھا۔ خوش مزاج اور پر خلوص۔ اس کا قیام بڑھ گیا تو وہ روز شام کو آنے لگا مگر ان کے گھر رہنے پر تیار نہ ہوا۔ اتوار کو وہ پاپا کے اصرار پر صبح آگیا۔ حریم نے تجویز پیش کی۔

"پاپا! آج سمندر پر چلیں، پکنک منائیں، موسم بھی اچھا ہے۔"

مگر آصف نے اس پروگرام کو رد کر دیا۔ "کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔

"بدبودار سمندر کے کنارے پکنک کا مزہ کرکرا کرنے سے کیا حاصل۔ چھٹی کا دن آرام کے لیے ہوتا ہے، ہم آرام کریں گے۔" وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا اور پاپا کی طرف دیکھ کر تائید چاہی۔ "کیوں ماموں؟"

"ہاں بالکل۔" پاپا فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے اور یہ پہلی بار تھا کہ وہ حریم کی تجویز ماننے کے بجائے کسی اور کی بات مان رہے تھے۔ حریم کو اچھا تو نہیں لگا مگر بات آصف کی تھی اور وہ آصف کی کوئی بات رد نہیں کر سکتی تھی۔

روزانہ کی ملاقاتیں، آپس میں بے تکلفی سے بات چیت اور گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے اور سب کو بے ساختہ ہنسانے پر اسے ایک ایوارڈ تو ضرور ملنا چاہیے تھا۔ حریم کا دل چاہتا تھا آصف کو کوئی قیمتی تحفہ دے مگر وہ ڈرتی تھی اگر وہ لینے سے انکار کر دے۔

"تمہاری اردو بہت اچھی ہے، حالانکہ آفس میں تم کو شاید ہی اردو بولنے کا موقع ملتا ہوگا۔" پاپا نے آصف کی زبان کی تعریف کی۔

"اوہو، بولنے کا تو موقع نہیں ملتا ماموں! مگر سننے کا بہت ملتا ہے۔ محاوروں کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے لوگوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ سنیے، ہمارے یہاں کے آفس میں ایک صاحب کل ہی مجھ سے کہہ رہے تھے۔

"میاں! ہاتھی مرے تب بھی گدھے سے اونچا۔" ان صاحب کے لہجے میں بولتے ہوئے آصف نے کہا۔

"ہنسی تو آئی مگر افسوس بھی ہوا۔ وہ تو دوسری بات کرنے لگے۔ میرا ذہن ایک مرے ہوئے زمین پر پڑے ہاتھی کو تصور میں ایک کھڑے ہوئے گدھے سے ناپنے لگا بلکہ رہ رہ کر میں گدھے بے چارے پر افسوس کرتا رہا۔ کیا حیثیت ہے اس بے چارے کی۔ کیوں ماموں! آپ بھی گدھے کی اونچائی ناپ رہے ہیں یا ہاتھی کی۔" وہ مسکرایا کیونکہ پاپا قہقہہ لگا رہے تھے۔

"یار! واقعی میں بھی تصور میں ہاتھی کو مرا پڑا ہوا اور گدھے کو کھڑا ہوا دیکھنے لگا تھا۔"

وہ پورا دن سب نے بہت پرلطف گزارا۔ آصف کچن میں بھی جا پہنچا۔ لان کی کیاریوں اور پودوں کی نشوونما پر بھی کچھ تجاویز پیش کیں۔

"اچھا یہ بتاؤ شادی کا کیا پروگرام ہے۔" ممّا پسندیدہ موضوع پر آگئیں۔

"ابھی تو کوئی پروگرام نہیں۔"

"تو جلدی کرو، ہم پھر پنجاب آئیں، سب سے ملیں

اور مزے کریں۔"

"واہ اپنے مزے کے لیے آپ مجھے قید کروانا چاہتی ہیں۔ ابھی آپ انتظار کریں' میں بھی لائن میں لگ جاتا ہوں۔"

"یعنی ہمارے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتے ہو۔"

"بس ایسا ہی سمجھ لیں۔ اصل میں امی کو جلدی نہیں ہے۔ وہ میرا مکان بنتا دیکھنا چاہتی ہیں۔ پلاٹ لے لیا ہے' دعا کریں۔"

رات کو واپس چلا گیا۔ اگلے دن آیا' کچھ تھکا تھکا سا۔ لان میں بینچ پر بیٹھ گیا۔ حریم کی ایک سہیلی آئی ہوئی تھی' قریب ہی رہتی تھی۔ حریم نے نبیہ سے اس کا تعارف کرایا۔ نبیہ بھی خاصی بے تکلف تھی' فوراً ہی گھل مل گئی۔ دونوں اس طرح باتیں کرنے لگے جیسے پرانی جان پہچان ہو۔ چلتے وقت نبیہ نے اس سے وعدہ لیا کہ وہ آتا رہے۔

"یعنی روز پٹنے آتا رہوں۔"

"کبھی کبھی سہی' آپ تو اس پوزیشن پر ہیں کہ آسکتے ہیں۔"

"لیکن کس لیے؟"

"ہم سے ملنے کے لیے اور کس لیے۔"

"اچھا۔ آتا رہوں گا' آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں ایسے تو حالات نہیں۔"

"اوہ شکریہ دولہا بھائی۔" وہ ہنس کر کہتے ہوئے چلی گئی۔

آصف نے کچھ حیرت سے حریم کو دیکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ "اسے بھی بتا دیا؟"

حریم کے دل میں خوشیوں کا چراغاں ہونے لگا۔ وہ اپنے تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ وہاں رک ہی نہ سکی۔

"یہ کیا کہا تھا آصف نے؟ کیا واقعی مجھے پسند کرنے لگے ہیں اور تعجب بھی کیا ہے' مجھ میں کمی ہی کیا ہے؟ بابا کی پوزیشن' مما کی سسرال والوں سے چاہت اور جب میں خود اظہار کروں گی تو... وہ نبیہ سے کے الفاظ۔ یعنی وہ دولہا بھائی والا استعارہ قبول کر چکے ہیں؟"

وہ رات دیر تک جاگ کر سوچتی رہی۔ وہ اگلے دن آصف سے کیا کہے کہ وہ بھی دل کھول کر رکھ دیں۔

"آصف میرے ہیں' صرف میرے۔ بابا کو بھی انکار نہ ہوگا اور ممکن ہے وہ خود بھی یہ چاہتے ہوں' ضرور ایسا ہوگا' بس اب رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ تو قدرت کی طرف سے انتظام ہوا ہے کہ آصف کو یہاں بھیج دیا۔"

صبح ہی بابا نے بتایا کہ آصف آج آفس کے اسٹاف کی طرف سے دعوت میں مدعو ہے مگر اس نے انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ اس قسم کی پارٹیز سے دور رہتا ہے۔ شام کو جلدی آئے گا۔

حریم نے کالج سے چھٹی کی اور مما سے فرمائش کر کے کریم کیک بنوایا۔ خود بھی دل لگا کر تیار ہوئی اور وہ الفاظ دہراتی رہی جو اسے آج آصف سے کہنے تھے۔

"آصف کو کراچی ٹرانسفر کروانا چاہیے' میری خواہش اور میں... خوشی سے پاگل... نہیں نہیں' کوئی پاگل عورت کو پسند نہیں کرتا۔"

انتظار... انتظار... شام ہو گئی' آنکھیں دروازے پر چپک کر رہ گئیں' چائے آ گئی اور جب مما نے پیالیوں میں چائے نکال لی تو رہ نہ سکی۔ اضطرابی کیفیت میں بڑبڑانے لگی۔

"مما! آصف کا انتظار تو کرلیں۔"

"آصف بھائی کہا کرو' بڑے ہیں تم سے۔" مما نے ڈانٹا۔

"فون آیا ہے اس کا' ایمرجنسی میں اسے جانا پڑ گیا۔" بابا نے کہا۔

"اور تمہاری مما ٹھیک کہہ رہی ہیں' آصف بھائی کہنا چاہیے تمہیں۔"

"اور ہو سکتا ہے بہت جلد دولہا بھائی کہنا پڑے۔" مما خوش دلی سے بولیں۔

اس کے سینے پر جیسے چنگاری سی لگی۔ "دولہا بھائی... کیوں؟" اس کی آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

مما مسکرائیں۔ "بھئی! نمیرہ سے شادی ہو گی اس کی برسوں پہلے طے ہو گیا تھا۔" وہ نہیں پر

ہول کر رو گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے کب تک ہو گی شادی؟" بابا مطمئن سے مما سے پوچھ رہے تھے۔ مما بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر کیا' وہ ایک طوفان کی زد میں تھی۔ شور تھا' طوفانی لہروں کا گرجتا ہوا شور۔ سکتے کی کیفیت میں وہ مما کو دیکھے جا رہی تھی۔

"ارے۔ تم کیوں اس قدر حیران ہو گئیں؟ یہ بات تو سب کو معلوم ہے۔"

"مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں' خبر ہی نہیں ہوئی۔" وہ بے دوا کر رہ گئی۔

"تم خود خاندان سے تعلق نہیں رکھتیں' اس لیے خبر نہیں ہوئی' اسی لیے سمجھاتی ہوں کہ سب سے مل جل کر رہنا چاہیے۔ فون سے ہی رابطہ ہو جاتا ہے۔ تم وہ بھی نہیں کرتیں۔ باجی ہمیشہ کہتی ہیں' حریم سے بات کرا دو۔ تم مصروفیت کا بہانہ کر کے ٹال جاتی ہو۔ کبھی خود بھی فون کر لو تو وہ کس قدر خوش ہوں۔"

انہیں تو بہانا مل گیا اس کی بے نیازی پر اعتراض کرنے کا۔

"لیکن یہ بات باجی تو مجھے فون پر نہ بتاتیں' آپ کو بتانا چاہیے تھا۔" وہ جھنجلا رہی تھی۔ دل کے پارہ پارہ ہونے پر اذیت کا شکار تھی۔

"چلو اب تو معلوم ہو گیا' وقت گزرا تو نہیں۔" مما کشن کور تبدیل کر رہی تھیں۔

"مما!" وہ کیا کہتی۔ "آپ نے یہ کیا دشمنی کی میرے ساتھ۔ یہ خبر' آپ کی بیٹی کے دل کو خاکستر کرنے والی ہے۔" آگ..... آگ..... اسے ہر سمت شعلے نظر آ رہے تھے۔ پورا وجود جھلس رہا تھا' کیسی غلط فہمی میں..... مار کھا گئی۔

آصف کا وہ اما بھائی والا جملہ' اس کے ناتے سے نہیں۔ شیبہ کی نسبت سے تھا۔ گم صم حالت میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ کپڑے جو بڑے شوق سے پہنے تھے' اتار کر دوسرے پہن لیے۔ بال کس قدر محنت سے نئے اسٹائل سے بنائے تھے' انہیں کھینچ کر سیدھا کیا مگر آنسوؤں کی برسات کو کہاں چھپائے۔ منہ دھو دھو کر تھک گئی۔ آنسو نہ تھمے۔

پھر وہ چونک گئی۔ "یہ کیا؟ میں بزدل نہیں' میں مرنا نہیں چاہتی۔ آنسو تو شکست کی نشانی ہوتے ہیں۔ نہیں' میں اتنی کمزور بھی نہیں اور یہ شیبہ کہاں سے آ گئی بیچ میں۔"

مما اسے پکارتی ہوئی اندر آئیں' اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئیں' حیران۔

"ہائیں' یہ کیا؟ ہم نے کہا کہ تم بھی تیار ہو تو زیدی صاحب کی طرف چلتے ہیں' کئی دن ہو گئے' وہ بلا رہے ہیں۔ تم بھی عمیمہ سے مل لو گی۔ تم نے تو حلیہ ہی بدل ڈالا' آخر کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔" وہ بھاری آواز میں بولی۔

"کچھ بتاؤ تو' ہوا کیا ہے؟ کیوں شکل بنا کر بیٹھی ہو۔ روئی ہو کیا؟" مما سخت الجھن میں تھیں۔

وہ امید افزا نظروں سے ان کو دیکھنے لگی۔ "مما! آپ..... وہ چیز مجھے دیتی ہیں نا جو بھی میں چاہوں' جو مانگوں۔"

"ہاں' کیوں نہیں۔ اب کیا چاہیے تمہیں؟" وہ زچ ہو گئیں۔

"مما! میں آپ اور بابا کی ایک اکلوتی اولاد ہوں' آپ مجھے ہر چیز لا کر دیتے ہیں جو بھی میں مانگتی ہوں۔ مما! پلیز مجھے آصف چاہیے' صرف آصف۔"

مما کا رنگ اڑا' وہ دھم سے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ حریم ان کے کندھے سے لپٹ گئی۔

"پلیز مما۔"

مما کا جسم واضح طور پر سخت ہو گیا۔ انہوں نے اسے ہٹایا۔ "حریم! تم کوئی بچی نہیں ہو اب کہ جس کھلونے پر انگلی رکھو' ہم تمہیں دلا دیں۔ اتنی نا سمجھ بھی نہیں کہ تمہیں بتایا جائے کہ جو چیز تمہیں چاہیے' وہ مشکل ہے۔" مما تھکی تھکی سی تھیں' آواز بھی کمزور۔

"مشکل ہے' ناممکن تو نہیں۔"

"مشکل کو آسان بنایا جا سکتا ہے بیٹا! مگر یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں ناممکن ہے۔ مما! ثنیہ ان کے لائق نہیں۔ سوچیں کہاں وہ کہاں ثنیہ۔"

"حریم۔" مما نے سختی سے ٹوکا۔ "جس جو چیز تمہاری نہیں ہو سکتی، وہ خواہ کسی کے لیے ہو، ہمیں اس پر بات کرنی ہی نہیں ہے۔ برسوں سے منگنی ہو چکی ہے ان کی۔"

"تو۔ اب تو نکاح ختم ہو جاتے ہیں، آپ منگنی کی بات کر رہی ہیں۔ اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟"

"منگنی نہیں ٹوٹے گی، مجھے یقین ہے۔ اب اس بات کو یہیں ختم کرو، تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔" مما کھڑی ہو گئیں۔ بیزار اور پریشان۔

"مما۔ آپ۔ اور بابا کوشش تو کر سکتے ہیں۔ آصف کے ابا جان سے بات کر کے۔ باجی سے۔"

"پاگل ہو گئی ہو۔" انہوں نے جھڑک دیا۔ "ہم باجی کو اتنا بڑا صدمہ نہیں دے سکتے۔ اخلاقاً بھی انتہائی گری ہوئی تجویز ہے اور اب چپ ہو جاؤ۔ خبردار اپنے بابا کے سامنے ایسی بات کی تو۔ میں زیدی صاحب کے ہاں جا رہی ہوں، تم بیٹھو۔"

اسے لگا مما کہہ رہی ہیں۔ "میں زیدی صاحب کے ہاں جا رہی ہوں، سو تم" وہ بیٹھی رہی۔ مما نے حسب عادت یہ بھی نہیں کہا۔ "بھوک لگے تو کھانا کھا لینا، ایسے ہی نہ سو جانا۔"

انہیں تو جیسے فکر ہی نہ تھی۔ بابا۔ وہ تو اس کی بات مان لیتے ہیں۔ مما تو وہی پرانی توہمات والی ذہنیت کے مطابق کہ خاندان کا معاملہ ہے لوگ کیا کہیں گے، بدنامی ہوگی۔

"اور ثنیہ کے پاس ہے کیا؟ تعلیم نہ پوزیشن، فیشن سے نابلد۔ جس طرح بڑی کی شادی چندے سے ہو گئی، چچا نے فریج دیا، پھپھو نے ٹی وی، کسی کزن نے کچھ کسی نے کچھ۔ بس اسی طرح ثنیہ کی بھی ہو جائے گی، کمی نہیں۔ آصف کی اپنی پوزیشن ہے، وہ کیوں چندے سے جمع کیا ہوا جہیز لے۔ ہرگز نہیں، وہ میرا ہے، میرے لائق۔ میں اس کی ٹکر کی ہوں۔ میرے باپ اور اس کے باپ کی ایک جیسی پوزیشن ہے۔ اس کے والد ضرور اس تجویز پر غور کر سکتے ہیں۔"

چھٹی کا وہ ہیجان خیز دن۔ خوشی [illegible] ناامیدی کے دھندلکے میں گم ہو رہا تھا۔

☼ ☼

رات ہو گئی، زیدی صاحب کے گھر سے آکر مما نے نوٹس ہی نہ لیا کہ اس نے کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں۔ بوا نے اس کے کھانا نہ کھانے کے بارے میں یقیناً بتایا ہوگا۔ وہ منتظر رہی، مما اس کے لیے دودھ لے کر آئیں۔ اوہ۔ اتنی ناراضی۔ مما اکثر اس کی فرمائش ٹال جاتی تھیں مگر بابا۔ ان کا دل تو بیٹی کے لیے گداز تھا۔ وہ اس کا اداس چہرہ دیکھ نہ سکتے، فکرمند ہو جاتے تھے۔ "بس بابا سے منوانا ہے۔" دل میں طے کر کے وہ سو گئی۔ صبح اچھی طرح ناشتہ بھی نہ کیا اور کالج چلی گئی۔ مما نے کلام نہ کیا۔ کالج میں وہ بابا سے کہنے والے الفاظ، خواہش کی اظہار کے طریقے سوچتی رہی۔ کس طرح قائل کرنے کی بات ہے اپنی "اس طرح" کی خواہش کا اظہار مشکل تو تھا مگر اپنا حق استعمال کرنا کچھ اتنا غلط بھی نہیں۔ گھر آئی تو محسوس ہوا، مما اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتی رہیں۔ کھانا کھا کر پڑھنے بیٹھ گئی۔

ثنیہ آئی تو دونوں باتیں کرنے لگیں۔ ثنیہ اس سے آصف کی باتیں کرنے لگی، اس کی تعریفیں اور حریم کی خوش نصیبی پر مبارک باد۔ حریم خوش ہوئی۔ کوئی تو ہے جو اس کو آصف کے لیے بہترین سمجھتا ہے۔ مما نے ان دونوں کی چائے اور پیسٹریز اندر کمرے میں بھیج دی۔

چائے پیتے ہی ثنیہ چلی گئی۔ وہ اٹھ کر بابا کے پاس آ گئی۔ مما کیک بیک کر رہی تھیں، اس لیے موجود نہ تھیں۔ موقع اچھا تھا، اضطرابی کیفیت اس پر طاری تھی۔ بابا اس کے ہر موڈ سے واقف۔

"ہاں بھئی کیا بات ہے، کچھ کہنا ہے؟ ہماری لاڈلی کی نئی ضرور خواہش کیا ہے؟"

بابا مسکرا رہے تھے، اس کا مطلب مما نے ان

مجھے نہیں کہا تھا۔

"بابا..." وہ ان سے لگ کر بیٹھ گئی۔ "جو میں کہوں گی، آپ غور سے سن کر جواب دیں گے، بولیں بابا؟"

"ارے یہ کیسا سوال ہے۔ بولو کسی کے لیے گفٹ چاہیے، کہیں جانا ہے؟"

وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر مسکرائی۔ "مجھے کچھ نہیں چاہیے، بس ایک خواہش منوانی ہے آپ سے۔ میری زندگی سے تعلق ہے اس کا۔"

"اوہو... آسمان کے تارے یا چاند یا خلائی سفر... کیا منوانا ہے؟"

"آسمان کے تارے نہ چاند، زمین کا چاند چاہیے مجھے... بابا مجھے آصف کا ساتھ چاہیے۔"

بابا اپنی جگہ سے شاید اچھل پڑے۔ "کیا... کیا...؟" آواز گلے میں پھنس گئی تھی۔

"پلیز میری زندگی، میری خوشی، میرا مستقبل، سب کچھ آصف کے ساتھ۔"

"ہیں... ارے یہ... کیسے... کیا کہا تم نے؟"

مما گرم گرم کیک لے آئی تھیں۔ میز پر رکھ کر چھری سے پیس کر رہی تھیں۔ بابا کی پسند کا اورنج کیک۔

"بیگم... سنو... یہ... کیا کہہ رہی ہے... ہماری لاڈلی..." بابا کی آواز بھاری بھاری تھی۔ "اسے... آصف چاہیے... زندگی کے لیے..." وہ جیسے رو دینے کو تھے۔

"اوہو... بچی ہے یہ، فکر نہ کریں، آپ کیک ٹرائی کریں۔ بہت جلدی میں پتہ نہیں کیسا بنا ہے۔ میں اسے سمجھا دوں گی، نا سمجھ ہے۔" مما لاپروائی ظاہر کر رہی تھیں، مگر تھیں نہیں۔ چہرے پر تشویش بہرحال تھی۔ بابا نے غیر محسوس طور پر اپنا بازو ہٹایا۔

"تمہارے... یہ خیال آیا کیسے...؟"

"دیکھیں بابا! میں نے کبھی آپ کو ناجائز تنگ نہیں کیا۔" وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"وہی چیز مانگی جو آپ مہیا کر سکتے تھے۔ میں نے کبھی... ناممکن چیز کے لیے ضد نہیں کی۔ آپ نے کبھی مایوس نہیں کیا۔" بابا نے جھٹکا سا کھایا۔

"بیگم! اس سے کہو یہ میرے اختیار میں نہیں۔" وہ سخت لہجہ اختیار کر چکے تھے۔ "میں اپنی بہن کے ساتھ... ایسی دغابازی نہیں کر سکتا۔ ایسی بہن جس نے ماں بن کر مجھے پالا، اتنی محبت، اتنی قربانیاں دیں کہ اب میں ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔ میں ان کو رنجیدہ دیکھتا ہوں تو اپنی زندگی پر لعنت بھیجنے کو دل چاہتا ہے۔ کیا میں ان کے لیے قاتل بن جاؤں؟ نہیں حریم! دل سے نکال دو یہ اصول نہیں ہو سکتی۔"

مما اپنی پلیٹ اور چائے لے کر ٹی وی کے سامنے جا بیٹھیں۔ یعنی باپ بیٹی خود ہی ابھی ڈور سلجھا لیں، وہ لاتعلق ہو گئیں۔

"میں پاگل ہو جاتی ہوں اگر مجھے میری من پسند چیز کے ملنے میں دیر ہو۔ آپ تو جانتے ہیں بابا! اور یہ تو میری زندگی کا سوال ہے۔ آپ کو میری پروا نہیں، مجھ سے زیادہ اپنی بہن کی ہے۔" اس نے نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے کہا تھا جیسا کہ پہلے بھی وہ اس قسم کی ڈرامے کرتی تھی اپنی بات منوانے کے لیے۔ بابا اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"حریم... یا اس بات کو بھول جاؤ یا پاگل ہو جاؤ۔"

کہہ کر وہ تیز قدموں سے باہر نکل گئے، ان کی چائے، پلیٹ میں ان کے حصے کا کیک پیس ویسے ہی رکھے رہے۔ حریم اب پچھتائی، شاید میں نے جلد بازی سے کام لیا۔ فوراً "یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔" مما بابا کو جاتا دیکھ کر خود بھی ان کے پیچھے چلی گئیں۔ ان کی چائے اور کیک کونے والی تپائی پر رکھا رہ گیا۔

"میری بات غور سے نہیں سنی شاید۔ اس لیے اپنی بہن کا سوچا۔ شاید مجھے یہ فرمائش اچھے کسی موقع پر کرنی چاہیے تھی۔" وہ تاسف سے گردن جھکائے بیٹھی رہی۔

"ارے وہ بچی ہے، اسے گھر کے معاملات سے کیا تعلق، فکر نہ کریں۔" مما بابا کو سمجھا رہی تھیں، پھر دوبارہ وہی بولیں۔

"آپ نے ہی عادت ڈالی ہے، میں منع کرتی تھی ہر

بات ماننے والی نہیں ہوتی۔ آپ مجھے خاموش کر دیتے تھے' وہ تو بس یونہی جو دل میں آئے بول دیتی ہے۔ مصلحت کیا ہے۔ تعلقات' معاملات کس طرح نبھائے جاتے ہیں' اسے نہیں معلوم۔ میں سمجھاؤں گی۔"

"میں تو خود شرمندہ ہوں۔۔۔ یہ تربیت کی ہے میں نے؟؟"

☆ ☆ ☆

بابا بھلا کیوں شرمندہ تھے' اس نے کیا ہی کیا ہے۔ محبت کرنا جرم نہیں۔ "مما بابا مجھ سے محبت کرتے ہیں' میں بھی ان کو بہت زیادہ چاہتی ہوں۔ ان سے دل کی بات نہ کروں تو کس سے کروں؟" کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ان کے درمیان کوئی اور داخل ہو سکتا ہے جو ان کے رشتوں' محبتوں' تعلقات میں دراڑیں ڈال دے گا مگر یہ ہو چکا تھا۔

آصف ان کے درمیان آگیا تھا اور اب اس کی تمام محبت کا محور تھا۔

رات کھانے پر بابا نے اسے اپنے کمرے میں آنے کو کہا وہ چلی گئی۔ فیصلہ کن مرحلہ۔

"دیکھو بیٹا! ابھی تم کم عمر ہو' تمہیں پڑھنا ہے بہت زیادہ۔ ابھی ان معاملات میں تمہاری توجہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جب تم کسی قابل ہو جاؤ گی۔ اچھا برا سمجھنے کے لائق۔ معاملات سے نبٹنے کی صلاحیت ہو تو کسی مشکل کام میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ ابھی تمہاری عمر ان فضولیات میں پڑنے کی نہیں ہے' وقت آئے گا تو خوب سے خوب تر کی تلاش ہم خود کریں گے۔ ایک چیز ہے جو ہمیں پسند آتی ہے' ہم اس کے حصول کے لیے بے قرار ہوتے ہیں۔ ہم کسی نقصان کی پروا نہیں کرتے مگر عقل مند وہی ہے جو دور اندیشی سے کام لے۔ حریم بیٹا! ابھی آپ کے لیے وہ وقت دور ہے جب آپ از خود زندگی کے معاملات میں انتخاب کا حق حاصل کر سکیں۔"

بابا رک رک کر سمجھاتے ہوئے اسے بچی ثابت کرنا چاہ رہے تھے۔

"کیوں بابا!" وہ بول پڑی۔ "میں کیا احمق ہوں' نادان اور بے وقوف ہوں؟ نہیں' اچھا برا میں اب بھی سمجھتی ہوں' اسی لیے جو مجھے پسند ہے' وہی مجھے چاہیے۔ مجھے آپ پر یقین ہے' آپ نے ہمیشہ میری خواہشیں پوری کی ہیں۔ جو میں نے کہا ہے' یہ میرا بچپنا نہیں ہے' میری دلی آرزو ہے' میری خوشی ہے۔"

"یہ جاننے کے باوجود کہ وہ ثنیہ کے بچپن کا منگیتر ہے۔ کیا یہ اخلاق کے منافی نہیں؟"

"بابا! کس زمانے کی بات کر رہے ہیں' منگنی اہم نہیں ہوتی' آپ کو اپنی بیٹی کی خوشیاں عزیز ہیں تو منگنی ٹوٹنا کیا مشکل ہے۔"

وہ جانتی تھی' اب نہیں تو کبھی نہیں۔ بابا جھلا کر اٹھے۔

"میں کس منہ سے ایسی بات کروں' بہن کی خوشیوں' آرزوؤں کا قتل۔۔۔ میں۔۔۔؟"

"بہن۔۔۔ کیا بیٹی کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے آپ کو؟؟"

ان کا فق چہرہ دیکھے بغیر وہ کمرے سے نکل گئی اور کئی دن خاموشی سے گزر گئے۔ وہ خود بھی انہیں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔ بھلا ثنیہ کا اور اس کا مقابلہ ہی کیا تھا۔

"وہ سیدھے سادے بالوں میں سیدھی مانگ نکال کر چٹیاں بنا کر چوٹی بنانے والی۔ بد رنگے ڈھیلے ڈھالے گھر کے سلے کپڑے پہننے والی' گھر کے کاموں میں مہارت۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ آصف کا اس سے کیا جوڑ۔ وہ تو میں ہوں جو آصف کے ساتھ جچوں گی۔

آصف خوبرو' ایڈوانس' اونچی سوسائٹی میں نمایاں۔ اس کا لباس' گفتگو' اعلا پوزیشن میرے سوا کسی کے ساتھ میل نہیں کھاتی۔ میرے اور آصف کے والد دونوں ہم رتبہ' دولت مند' خاندانی۔ ثنیہ کے باپ کے پاس ہے کیا؟ میں اتنی بھی نادان نہیں کہ زندگی کے بارے میں صحیح انتخاب نہ کر سکوں۔ ارے بھی ذرا

آصف کے ابا سے بات تو کریں، مقابلہ تب ہی ہوگا۔ انہیں ثمینہ اور مجھ میں فرق محسوس ہوگا اور فیصلہ کتنا آسان۔ وہ فوراً راضی ہو جائیں گے۔ پوزیشن، حیثیت، تعلیم، عمر، فوقیت ہے مجھے ہر معاملے میں۔"

اچانک سوچتے سوچتے ذہن جاگ اٹھا، جھماکا سا ہوا۔

"ثمینہ... ہاں ثمینہ سے بات کرنی چاہیے، وہی اس مسئلے کو حل کرے گی۔" سوچا اور عمل کر ڈالا۔ پہلی بار فون کیا تھا اور کس مقصد سے؟ ذرا شرمندہ نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

اور اگلے دن گھر طوفان کی زد میں تھا۔ بابا، مما سخت غصے میں الٹے ڈانٹ رہے تھے۔ عاقبت نااندیش، احمق، ماں باپ کی دشمن قرار دے رہے تھے۔ مما تو اسے پاگل قرار دے چکی تھیں۔ خود غرض، جلد باز اور گستاخ قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔

"آخر ثمینہ کو کیوں فون کیا تم نے؟" مما چیخ رہی تھیں۔

"وہی راستے کا پتھر ہے، اس لیے۔" وہ بے خوف تھی۔

"نتیجہ جانتی ہو؟ میں برا بنوں گا، سب کی نظروں میں ذلیل۔ چھٹ جاؤں گا پورے خاندان سے۔ کوئی سلام کلام کا روادار نہ ہوگا۔ جینے نہیں دے گی یہ مجھے۔"

بابا رو رہے تھے وہ اب بھی ڈٹی۔ مما بابا کو نہ جانے کیا تسلیاں دے رہی تھیں۔

"میں چاہتا تھا گھر میں ہی آرام سے بات کر کے۔ بیگم.... آپ نے مجھے دھوکے میں رکھا کہ وہ ٹھیک ہے، سمجھا دیا ہے، کیا سمجھایا ہے؟ یہ کہ مجھے ذلیل کرے سارے خاندان میں، تباہ کر دے میری بنی بنائی عزت...."

"بابا! میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ صرف ثمینہ سے کہا کہ وہ میرے اور آصف کے راستے سے ہٹ جائے، اس میں کیا خرابی ہے۔"

"وہ تم نے یہ کہہ کر مجھے شرمندگی کے سمندر میں ڈبو دیا ہے، ندامت کے گڑھے میں دھکیلا ہے پھر کہتی ہو کیا خرابی ہے۔ آصف نے کا تو.... کیسی ذلت ہوگی میری۔ باجی، بھائی میاں.... کسی کے سامنے منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا۔" بابا بلک رہے تھے۔ مما انہیں سنبھال رہی تھیں۔

"نہ پریشان ہوں، میں ثمینہ سے خود بات کروں گی۔ بہت ذہین اور اعلا ظرف ہے وہ۔ معاف کر دے گی۔"

"مما! میں نے غلطی نہیں کی، اپنے حق کے لیے لڑنے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔ اپنے مفاد کے لیے تو دنیا میں قتل بھی جائز ہوتے ہیں۔"

"اسی لیے تم نے ہماری محبت کو قتل کر دیا، ہماری عزت کا جنازہ نکال دیا۔ اپنے بابا کا خیال بھی نہیں کیا، بہت اپ سیٹ ہو گئے ہیں وہ۔"

"جی.... یہ کارنامہ ان ہی.... آپ کی اعلا ظرف ذہین بھانجی نے کیا ہے۔ ذرا دل میں رکھی ہوتی بات۔ سناتیں، مجھے ہی ڈانٹ لیتیں۔"

"ثمینہ نے کسی کو کچھ نہیں بتایا، باجی نے سنا تھا خود۔ فیضان کو وہی بتا رہی تھیں، رو رہی تھیں۔"

"ہاں تو ان کی لاڈلی کا مستقبل جو خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ روئیں گی تو۔" مما سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"اف.... ہٹ دھرم لڑکی۔"

"اچھا مما! صرف اور صرف آزمانے کے لیے آپ اور بابا، آصف کے ابا کے سامنے یہ مسئلہ پیش کریں، میرے لیے آصف کا ہاتھ مانگیں پھر نتیجہ آپ خود دیکھ سن کر حیران ہوں گے۔ فوراً مان لیں گے وہ۔"

مما نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"اس لیے مما کہ وہ آج کے دور کے لوگ ہیں۔ پرانے زمانے میں نہیں رہتے۔ انہیں اپنے معقول دکان دار بھائی کے مقابلے میں بابا کی پوزیشن بہتر لگے گی کہ نہیں۔"

"تم پاگل ہو، وہ بھائی سے دغابازی نہیں کریں گے۔ اچھا ہو تمہیں فیضان کو دے کھولو، انہوں نے تو دل پر لے لی ہے یہ بات۔ ثمینہ کو بھی تسلی دینی ہے، باجی سے معذرت بھی۔ اپنی زبان بند رکھنا۔" اٹھ کر چلی

گئیں۔ "کیسی ماں ہیں، اپنی بیٹی کی فکر نہیں۔ بس بھانجی کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ اب تو ضد ہوگئی ہے مجھے۔ اپنا مقدمہ خود لڑوں گی۔ اپنا حق استعمال کروں گی اور چھین لوں گی ثنیہ سے آصف کو۔ بس مجھے پسند ہے اور جو چیز مجھے پسند ہو وہ میں حاصل کرکے رہتی ہوں۔" کتاب پر نظریں گاڑے وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ آئندہ کیا ہوگا اور کیسے!

اسی دوران مما نے اسے فون لاکر دیا۔ ارمین تھی۔ ہونہہ۔ وہی جاہل گھرانے کی فضول لڑکی۔ بہن کا مقدمہ لڑ رہی تھی۔ اس نے حریم کو بے شرم، بے غیرت، غاصب، جابر، دغاباز، نہ جانے کیا کیا کہا۔ غصے میں کھولتے ہوئے اس نے بھی ارمین کو خوب جواب دیے۔

"دوسروں کی چیز پر قبضہ کرنے کو غاصب کہتے ہیں۔" اس نے بے باکی سے کہا۔ "حریم آپی! آپ نے ہم سب کو بہت مایوس کیا ہے۔"

فون بند ہوا۔ مما نے روتی آواز میں بتایا۔

"حریم! ثنیہ نے تم پر ترس کھاکر منگنی ختم کرنے کا اعلان کردیا ہے۔ باجی کو ہارٹ اٹیک۔۔۔" وہ رونے لگیں۔

"ہاں جی اب تو سب کو ہارٹ اٹیک ہوگا ہی۔ بابا پر اثر ڈالنے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کریں گی بہن صاحب۔ چلو پھر صاف۔" رکاوٹ دور لیکن ترس کھانے والا لفظ بری طرح چبھنے لگا۔ "شاید بابا کو بہن کے ہارٹ اٹیک کا نہیں بتایا مما نے۔"

☼ ☼ ☼

دو دن گزر گئے۔ خاموشی، اداسی۔ "آخر اب کیا سوچ رہے ہیں بابا۔ آصف کے والد سے بات تو کریں، منگنی ختم ہوگئی۔ اب تو راستہ صاف ہے۔ اس نے مما سے اظہار بھی کردیا۔" مما نے آرام سے کہا۔

"ٹھیک ہے کچھ کرتے ہیں مگر تم پڑھائی پر توجہ دو۔ تمہارے بابا چاہتے ہیں تم خاندان کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ لڑکی کہلاؤ۔ ہم نے تمہاری ہر خواہش پوری کی ہے، تم ہماری آرزو پوری کرو۔ امتحان نزدیک ہیں محنت کرو۔"

"مما! میں محنت کروں گی، آپ کی بابا کی آرزو پوری کروں گی مگر آپ بھی تو کوشش کریں۔ ان لوگوں سے بات تو کریں۔"

"بہت وقت پڑا ہے، کرلیں گے کوشش اور تم بار بار تقاضے نہ کرو۔ شرمندگی ہوتی ہے مجھے۔ دیکھو آصف کوئی دکان پر رکھا کھلونا نہیں کہ تم نے پسند کرلیا ہم نے خرید کر دے دیا تم نے کھیل کر دل خوش کرلیا۔ اس کی منگنی ٹوٹی ہے، اسے سوچنے، سنبھلنے کے لیے وقت چاہیے۔"

"اوہ، یہ تو سوچا ہی نہیں۔" چلو آس بندھی۔ کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ مما شاید بابا کو راضی کرہی لیں گی۔ جب ثنیہ نے خود منگنی ختم کرنے کا اعلان کردیا تو اب دیر کیوں کی جائے۔ ثنیہ کو ہرانے سے کس قدر دل خوش ہے۔ واقعی بھی کیا چیز ہے اور بھی ثنیہ کو ان کے معیار کے مطابق کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔" ارمین کی بدتمیزی پر دل جس قدر جلا تھا، اب اس میں بھی کمی آگئی۔ "چلو چھوٹی ہے۔" آصف کو فون کروں، نمبر تو ہے نہیں۔ اچھا لاہور ان کے گھر چندا سے لیتی ہوں۔ پتہ نہیں وہ ثنیہ کے معاملے میں کیا کہتی ہے۔ کوشش اور جدوجہد۔" اس نے ڈائری میں دیکھ کر لاہور فون کیا۔ چچی نے ریسیو کیا۔

"چچی! میں حریم بول رہی ہوں کراچی سے۔"

"ارے بیٹے خیر تو ہے بیٹا! فیضان میاں تو ٹھیک ہیں اور فریحہ۔"

"اُف۔ محترمہ فون سن کرہی بوکھلا گئیں جیسے پہلے زمانے کی جاہل خواتین گھر میں تار آنے سے رونا پیٹنا شروع کردیتی تھیں کہ تار بری خبر کی علامت تھا۔"

"جی چچی! سب خیر ہے۔ مجھے چندا آپا سے بات کرنی تھی۔ امتحان ہونے والے ہیں تو ان سے کچھ پوچھنا تھا۔"

"اچھا شکر ہے، تم نے کبھی فون کیا نہیں تھا اس

لیے گھبرا گئی۔ ہاں وہ چندا ہے وہ تو تمہیں سے ڈاکٹر بن گئی ہے۔ تم کیا ڈاکٹری پڑھ رہی ہو جو اس سے پوچھنا تھا۔"

"نہیں۔ خیر۔ اچھا آصف بھائی کا نمبر دے دیں، انہی سے پوچھ لوں گی۔" بہانہ۔

"اچھا تو نمبر لکھو اور ہاں اپنی ماں سے بات کروا دو بہت دن ہو گئے بات نہیں کی۔ میں بھی مصروف رہی۔"

"چچی! ماما پاپا تو کہیں گئے ہوئے ہیں۔" اس نے بہانہ کر کے فون بند کر دیا۔

چندا ڈاکٹر بن گئی ہے، کیسا فخر تھا ان کے لہجے میں۔ ہے۔؟ ثنیہ کے بارے میں کچھ کہا نہیں، کیا حال کیسی ہے معلوم نہیں ہوا۔" اس نے عجلت میں آصف کا نمبر ڈائل کیا۔ ماما پاپا کے آنے سے پہلے یہ معرکہ سر کرنا ہی تھا۔ آصف نے فون اٹھا لیا تھا۔ اس کا دل اچھل کر باہر آنے کو ہوا۔

"آصف! میں حریم بول رہی ہوں، آپ سے..."

"سوری حریم! میں بہت بزی ہوں۔ کچھ دیر بعد۔" ٹوں ٹوں، فون بند۔

کچھ دیر بعد یعنی دس منٹ بعد اس نے پھر ڈائل کیا۔

"آصف! میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں سن چکا ہوں، اب کیا کوئی نئی بات کرو گی۔"

روکھا سوکھا انداز، گرا سب جو کچھ کہنا تھا۔ اپنے دل کی آواز، مستقبل کے خواب، ثنیہ سے مقابلہ، کہتی گئی کہتی گئی۔ اپنی اعلا تعلیم اور باپ کی بہترین پوزیشن، ملک سے باہر عیش کی زندگی کوئی لالچ کوئی ترغیب باقی نہ رہی۔

"سوری مس حریم!" ادھر سے ٹھنڈا ٹھار جواب ملا۔ "آپ بے شک درست فرما رہی ہیں، میں تمام باتوں کا قائل ہوں مگر میں وعدے کا پابند ہوں۔ عہد شکنی کو گناہ سمجھتا ہوں، بے وفائی میری لغت میں نہیں ہے تو زندگی میں کیسے آئے گی اور میں آپ کے معیار تک پہنچ نہیں سکتا۔ آپ بہت بلند ہستی ہیں، میں مانتا ہوں مگر۔ وعدہ توڑ کر اپنی ہی نظروں سے گرنا نہیں چاہتا۔"

"لیکن ثنیہ نے منگنی سے انکار کر دیا ہے۔" وہ چیخ پڑی۔

"میں نے انکار نہیں کیا۔" فون بند اور مسلسل بند اور وہ ساکت، دم بخود۔

کس طرح گڑگڑا کر محبت کی بھیک مانگی تھی، کیسے وعدے کیے کہ خود کو اس کی پسند کے مطابق ڈھال لے گی مگر ہوا کیا، ساری ترغیبات۔ دوسرے ملک کے عیش، اپنے باپ کے پیسے، جائیداد کی تنہا وارث ہونے کا لالچ اور جواب ملا۔ برف کے تودے میں گرا ہوا سمٹا ہوا، ٹھٹھرا ہوا اس کی گرم جوشی، محبت اور وفا کی قسموں کے جواب میں معذرت، صرف۔

تو یہ شکست بھی اس کے حصے میں آ سکتی ہے، وہ یقین نہیں کر سکتی۔ کیسے؟ کیا انہیں ثنیہ اور حریم میں فرق نظر نہیں آتا۔ ثنیہ سے تو ہر وقت جنگ رہتی تھی، طرح طرح کے طعنے، مسخرہ اڑانے والے لطیفے پھر یہ کیا تھا، وعدہ اتنی مضبوطی۔

رات گزر رہی تھی مگر نیند غائب۔ کیسی رات تھی، ابھی آنکھ مردار، دل اس حقیقت کو قبول کرنے سے انکاری۔ نہیں، وہ میرا ہے، صرف میرا۔

"شاید ابھی اس منگنی کے ٹوٹنے کا غم اس طرح ستا رہا ہے۔" اپنی شکست کو وعدے کی زنجیر سے تھمی کر کے۔ شاید ابھی وقت ہاتھ سے نکلا نہیں۔ بار بار فون کروں گی، مناؤں گی بھلا کب تک بھاگو گے، پیچھا کرتی رہوں گی۔"

صبح آنکھیں سرخ، طبیعت نڈھال۔ ماما نے پوچھا۔ "رات دیر تک پڑھتی رہی ہو؟"

"جی!" وہ توس پر جیم لگا رہی تھی۔ "انڈا بھی کھا لیا، چائے بھی پی لی۔"

"تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔" انہوں نے اس کے پڑھنے کو یا کھانے پر رائے زنی کی۔

وہ کالج چلی گئی، پڑھنا کیا تھا، اونگھتی رہی۔ گھر آئی تو ایک اور امتحان۔

"توصیف آیا ہے۔" ماما نے اسے باخبر کرنا چاہا۔ پتہ

نہیں کیوں۔

"کون توصیف؟" وہ حیران ہوئی۔ مما نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ آگے بڑھی' لاؤنج میں بیٹھا تھا' اسے آتا دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اوف۔ دل یکدم سکڑ کر پھیلا۔ کیا۔۔۔؟ یہ کیا کرنے آیا ہے' چند سال پہلے سوکھا سڑا سانولا' ہمن ہمن کر کے بولنے والا توصیف جیسے جادو کی چھڑی کے پھرتے ہی دراز قد' ہینڈسم' اسمارٹ اور مردانہ حسن سے سج گیا تھا۔ تیز چمک دار آنکھیں' لمبی پلکیں' کیسے تفاخر سے کھڑا تھا مقابل۔

"آپ کے ہاں سلام وغیرہ کا رواج نہیں۔" بولا تو جیسے لاؤنج کی چھت تک لرز گئی۔ بھاری گونج دار آواز تھی اس نے سٹپٹا کر کہا۔

"ہائے۔" اور کمرے کی طرف لپک گئی۔ دل کی رفتار تیز تھی۔ "جانے کیوں' اب یہ کیوں آیا ہے پنڈی سے کراچی' اچھا لگتے ہیں۔"

"اپنی بہن کی وکالت کرنے گا۔ کرے' کیا پروا۔" اچانک ایک خیال بجلی کی طرح ذہن کی سطح پر چمکا۔ "نہیں۔۔۔؟ کہیں ایسا تو نہیں۔۔۔ اوہ۔۔۔ یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔ کتنی پاگل ہوں میں' بابا کی بہن سے محبت کا صلہ۔۔۔ اس طرح بھی تو ممکن ہے۔ یقیناً باجی نے توصیف کے لیے بابا سے میرا ہاتھ مانگا ہو گا اور بابا نے۔۔۔ انکار کا تو سوال ہی نہیں۔ وہ تو اپنی بہن کے منہ سے لفظ نکلنے سے پہلے اقرار میں گردن ہلاتے ہیں' تب ہی آصف کا نام سنتے ہی اتنا ہنگامہ۔ کیا' بابا کی دولت' جائیداد' ناموری' عزت۔۔۔ ان کو کہاں مل سکتی ہے۔ مجھ جیسی حسین پری چہرہ بہو۔

ادھر بیٹی کے لیے آصف کو منتخب کیا' ادھر دولت کے لالچ میں بھائی کی محبت کے بہانے۔۔۔ مجھے چن لیا' کتنی تیز خاتون ہیں اور بابا۔۔۔ ان کے احسانات کا قرض چکانے کے لیے بیٹی کی قربانی دے سکتے ہیں۔" وہ لاؤنج میں آئی' وہ وہیں بیٹھا تھا۔ مما کھانا لگوانے چلی گئیں۔

وہ حریم کو اپنی چمک دار آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ آنکھیں کسی سے بہت مشابہ لگ رہی ہیں۔ کس سے؟" یاد نہیں آیا۔

"آپ کی جرأت کی داد دیتا ہوں مس حریم!" دھیمی آواز میں اچانک بولا۔ "لیکن آپ اپنی اس بار یا حرکت پر شرمندہ نظر نہیں آتیں۔ کیا پوچھ سکتا ہوں' پہلے چھوٹی آپی پھر آصف بھائی کو فون کرنے کا خیال کیسے آیا' کس توقع پر؟"

اسے غصہ آ گیا۔ "کوئی جرم نہیں کیا تھا میں نے۔" وہ بے خوف تھی۔

"اچھا۔ تو پھر یہ کیا تھا' وضاحت کریں گی آپ؟ بے شک آپ بے دھڑک ہر چیز خریدنے پر قادر ہیں لیکن وہ انسانوں کو پیسوں کے ذریعے خریدنے کی شاید پہلی جرأت ہے۔ پوچھ سکتا ہوں' کیا معنی ہیں اس کے؟"

"آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں' میں نے ان سے بات کی تھی۔"

"میں ان ہی دونوں کا نمائندہ بن کر آپ سے جواب طلب کرنے آیا ہوں۔ آپ نے سوچا بھی نہیں' اتنے بڑے حادثہ کی صورت میں کس طرح قیامت بپا ہو سکتی ہے۔ جو کام بزرگوں کے کرنے کا ہوتا ہے' وہ آپ کس حق کے تحت کرنا چاہتی تھیں؟"

"میں اپنے حق کو استعمال کرنے کے لیے کسی بزرگ کی محتاج نہیں ہوں۔ میں اپنے فیصلے خود کر سکتی ہوں۔" وہ آگ بگولا ہو گئی۔ "لیکن آپ کی نمائندگی کو میں نہیں مان سکتی۔ آپ کا حق نہیں ہے' اس لیے۔۔۔"

"میں پھر بھی آپ کو شرمندہ کر سکتا ہوں کیونکہ میرا بھی اس معاملے سے تعلق ہے۔"

وہ شعلہ بداماں کھڑی ہو گئی۔ "آپ کا کیا تعلق' صرف بہن کی وکالت۔ لیکن میں پھر بھی کہتی ہوں' میں آصف کو پسند کرتی ہوں اور جو چیز مجھے اپنے لیے پسند آئے' میں اسے حاصل کر سکتی ہوں اور یہ جرم نہیں ہے۔"

"یعنی ایک انسان کو اپنی پسند کے مطابق دوسرے سے چھین لینا جرم نہیں۔ کیا یہ کسی کا حق ہو سکتا ہے

یک طرفہ پسند کا معاملہ؟ کس طرح کا انجام ہوگا' سوچا ہے۔ ہر فرد بے چین ہے میں تو حیران ہوں۔ یہ کہاں کا قانون ہے کہ اپنی پسند کے حصول کے لیے دوسروں کو اذیت میں مبتلا کیا جائے۔" وہ خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔

"آپ کو کیا تکلیف ہے؟ میں جو بھی کروں۔"

"میں نہیں چاہتا کہ آپ کو اذیت ہو' مجھے بھی تکلیف ہوئی ہے۔"

"مجھے پروا نہیں' کسی کو دکھ ہوتا ہے تو۔ میں اپنی ذات کی حد تک سنجیدہ ہوں' میں کوئی چیز چھین لوں' خرید لوں یا پھینک دوں' آپ سے مطلب؟ کیا آپ کو اپنے نقصان کا اندازہ ہو گیا ہے' اس لیے۔ میرے بابا کی دولت اور پوزیشن' جائیداد ہاتھ سے نکلتی نظر آرہی ہے' یہی خدشہ ہے۔"

"خدشہ... مطلب... میں سمجھا نہیں؟" وہ خاصا بوکھلا گیا تھا۔ (اب آیا اونٹ پہاڑ کے تلے)

"صاف ظاہر ہے' میں اپنی بات کرلوں پہلے۔ میں نے محسوس کیا اور یقین سے خود کو حق دار سمجھ کر اتنی جرات کی۔ سنیے' آپ کی بہن آصف کے لیے موزوں نہیں۔ میں نے خود موازنہ کیا' میں ان سے بہتر ہوں۔ چونکہ آصف مجھے اپنے لیے پسند آگئے۔ میری' میرے بابا کی پوزیشن آصف اور ان کے والد کی ٹکر کی ہے۔ میں ہر لحاظ سے ثمینہ سے بہتر ہوں۔ بابا اور راشد چچا کی برابری ہے۔ آپ کے والد کے پاس کیا ہے؟ دولت' عزت جو آج کا تقاضا ہے۔ ایک معمولی دکان دار کے پاس کیا ہے' ایک چپراسی جیسی حیثیت اور راشد چچا' آصف' بابا کس طرح مقابلہ کریں گے ان سب کا آپ یا آپ کے والد۔ راشد چچا مجھے ترجیح دیں گے۔" وہ کیوں بتاتی کہ آصف انکار کرچکا ہے۔

"آپ کو یہ حق کس نے دیا فیصلہ کرنے تک عزت' دولت' پوزیشن کا مقابلہ اور کس درجے کون بلند ہے۔"

وہ غصے میں تپ کر تانبہ بن گیا۔ حریم کو اس کی شکست پر خوشی ہوئی۔

"کون دیتا ہے حق کسی کو۔ میرا اپنا فیصلہ ہے جو نظر آتا ہے' وہی درست ہوتا ہے۔ میں جو کہہ رہی ہوں' کسی سے بھی پوچھ لیں۔"

مما اندر آگئیں' وہ دروازے پر کھڑی تھیں' حیران اور سراسیمہ۔

"حریم! چپ ہو جاؤ' بہت بول چکی ہو اور کتنا ذلیل کرو گی ہمیں۔"

"مما! آئینہ دکھا رہی ہوں' اپنا حق..."

"چپ رہو' خبردار' اب آواز نہ نکلے۔" مما نے زور سے کہا۔

"مامی! آپ نہ بولیں۔" وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ "میں خود بات کرلیتا ہوں۔ بی بی حریم! آپ خود کو کتنی بھی اعلا و ارفع ہستی سمجھیں' مگر سب کو نظر آتا ہے کہ آپ کیا ہیں۔ میں صرف اپنے غصے اور جوش کو ٹھنڈا کرنے آیا تھا' آپ نے آئینہ دکھا دیا' شکریہ۔ میں تو آپ کی جرات کی داد دینا چاہتا تھا' یہ نہیں جانتا تھا حماقت' نادانی اور جرات یوں یکجا ہوسکتے ہیں۔ اتنی گھٹیا ذہنیت اتنے بڑے محل میں رہتے ہوئے اعلا تعلیم حاصل کرنے والی حق اور جرات استعمال کرتے ہوئے ایسی جہالت' دولت اور پوزیشن پر فخر' باپ کی جائیداد اور شہرت پر ناز۔ دولت اور دنیاداری پر خاندان' شرافت اور خون کے رشتوں کو قربان کرنے والی بے حسی۔ تکبر کی انتہا' یہ کس لیے؟ کہاں سے آئی؟ سانپ کو دودھ پلاؤ تو وہ بھی ڈسنے سے باز آجاتا ہے مگر محترمہ' آپ نے تو دودھ پلانے والوں کو ہی ڈس لیا۔ چلیں آپ کو آپ کا فخر و غرور مبارک' میں بحث کرکے اپنا رشتہ' رتبہ کم نہیں کرنا چاہتا۔"

"رتبہ... رشتہ... کون سا رتبہ..." وہ بے انتہا غصے میں آتش فشاں بن گئی۔ "میرے باپ کی دولت ہتھیانا چاہتی ہیں آپ کی والدہ' کیا یہ غلط ہے؟ میرے آصف کا نام لیتے ہی ان پر ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ یونہی تو نہیں' وہ طرف ہاتھ مارا گیا اسی کو۔"

مما نے اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ کام کر ڈالا جو بے اختیاری میں توصیف کرنے والا تھا۔ وہ لپک کر اٹھیں۔ ایک زوردار تھپڑ اس کے نرم رخسار پر

رسید کر کے اسے دھکا دے کر گرا دیا۔ وہ دم بخود انہیں بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ توصیف کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"مما!" اس نے قدرے رکھائی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں اب چلتا ہوں' میرے جانے کے بعد ان محترمہ کو ضرور بتایئے گا' میرا معصوم باپ ایک چپراسی جیسی شخصیت کا مالک' کتنی اعلا ہستی کا بھی باپ ہے۔ میری ماں اب خدا کے فضل سے ہارٹ اٹیک کے صدمے سے سنبھل گئی ہیں' کیونکہ مارنے والے سے بچانے والا زبردست ہے۔ انہوں نے تو مارنے کی پوری کوشش کی تھی۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے بولا۔

"اور ہاں' یہ بھی ضرور بتادیں' تعارف کرادیں کہ میں کون ہوں اور کس حق کے تحت آیا ہوں۔ میں ان کا جڑواں بھائی بھی ہوں اتفاق سے۔ ان کے ساتھ دنیا میں آنے والا اور اتنا شرمندہ ہوں اس تعلق پر۔"

وہ باہر کی طرف لپک گیا۔ مما روتی ہوئی اس کے پیچھے لپکی تھیں۔

"توصیف... توصیف... رکو بیٹا... کھانا...!"

مگر وہ کب رک رہا تھا اور خود حریم بھی کچھ سننے کے قابل کہاں رہی تھی۔ وہ ایک گندگی کے گڑھے میں گر چکی تھی' جس کی بدبو اس کے لیے ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ ایک اذیت ناک درد کا سلسلہ اس کے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا۔ کھولتا ہوا خون رگوں میں آگ لگا رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ زمین پر گری پڑی رہی' لاش کی طرح۔ آنسو خشک' حالانکہ رونا چاہتی تھی' دھاڑیں مار مار کر۔ یہ کیا تھا' یہ کیا ہوا؟ ایسا جان لیوا انکشاف۔ اتنی بڑی ذلت' ایسی تلخ حقیقت۔ وہ بے چاری اب تک اس سے ناواقف تھی۔ مما زور زور سے رو رہی تھیں۔ وہ کیسے روئے؟ اسے تو مر جانا چاہیے' جہاں اس کی سزا یہی ہے مگر۔ اپنے فخر و غرور' اپنے تکبر کے ساتھ وہ دفن ہو جاتی۔ اس سیاہی کو دھو سکے گی۔ جو وہ خود اپنے وجود پر تھوپ چکی تھی۔

نہ جانے سال گزر گیا یا صدیاں۔ اوپر صوفے پر مما بیٹھے نیچے زمین پر حریم۔ شرمندگی' ندامت' اور خوف کے اثر سے اپنی جگہ جم کر جنبش سے قاصر' اس تمنا کے ساتھ کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے مگر ہر خواہش پوری کب ہوتی ہے۔

☼ ☼ ☼

"یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب ہم پنڈی میں رہتے تھے۔" مما اسے اپنے پاس لٹا کر حقیقت سے آگاہ کر رہی تھیں۔ "ہماری شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ باجی کی بیٹیاں مجھے بہت پیاری لگتی تھیں۔ میں انہیں روز اپنے گھر بلا لیتی تھی اور جب باجی نے خود کہا کہ اب تو جو بچہ ان کے گھر پیدا ہوگا' وہ مجھے دے دیں گی تو میری خوشی کی انتہا نہ تھی پھر ان کے ہاں اللہ کی مہربانی سے دو بچے ہوئے' لڑکا اور لڑکی۔ میں نے لڑکی لے لی۔ اتفاق سے ان ہی دنوں فیضان کو فارن آفس میں سروس مل گئی۔ اتنا کم وقت تھا کہ ہم تمہارے تعلق کوئی فنکشن بھی نہ کر سکے۔ تمہارے برتھ سرٹیفکیٹ کو بھائی میاں کے نام سے بدل کر فیضان کا نام لکھوانا پڑا کیونکہ قانونی طور پر اڈاپٹ کرنے کے کاغذات اتنی جلدی تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ ہم انگلینڈ چلے گئے اور پھر ایسی بھول ہوئی کہ اسکول میں بھی فیضان کا نام تمہارے نام کے ساتھ لگا رہا۔ تمہاری فیضان سے عشق کی حد تک چاہت نے ہمیں ہمت ہی نہیں ہونے دی بتانے کی۔ تم باجی کی اولاد ہو' ان کے سکون قلب کے لیے تمہیں جب یہاں آتے' ان کے پاس لے جاتے۔"

مما ان سے آخر سب بتاتی گئیں۔ شرم ساری بڑھتی گئی۔ اب اسے بابا کے الفاظ یاد آتے۔ "میں باجی کو کیا منہ دکھاؤں گا' یہ تربیت کی ہے۔"

"مما... میں... اب سب کا سامنا کیسے کروں گی؟"

وہ مردے کی طرح ایک جگہ پڑی رہتی۔ سوچ سوچ کر ہر روز مرنے کا عزم کرتی۔ مما نے اسے پھر سے ہمت و حوصلہ دیا تھا۔ بابا... باجی کی عیادت کے لیے گئے ہوئے تھے ورنہ... اور وہ توصیف کی تند... اور

یہاں کی واردات سے ناواقف تھے' ورنہ۔۔۔ وہ۔۔۔

میں نبیہہ کا سامنا کیسے کروں گی اور آصف اور توصیف۔۔۔ اور باجی۔۔۔ وہ تو سب کی مجرم تھی۔ سب سے بڑھ کر۔۔۔ اپنے باپ کی توہین کرنے کی مرتکب۔ اسے معافی کہاں ملے گی۔ ہاں اس کو سزا ملنی چاہیے۔ اگر وہ باپ نہ ہوتے پھر بھی کسی ذی روح کی توہین کرنے کا حق اسے نہ تھا۔ کسی کو نہیں ہوتا۔ وہ کیوں اپنی سطح سے گر گئی۔ یہ برتری کا جذبہ' غرور' دولت کا غرور' بابا کی پوزیشن کا فخر' وہ جو باپ تھے نہیں' بنائے گئے تھے اور وہ خود کیا تھی' ای جیرا ای جیسی حیثیت کے مالک کی بیٹی' اپنی اوقات یاد آئی' سب کی محبتیں' خصوصی عنایتیں۔ آصف کیا ہو گیا' اب وہ اپنی نفرتیں سمیٹے گی۔ ابا میاں' باجی' آصف' نبیہہ' توصیف کس زعم میں خود کو برتر سمجھا۔

اب منہ کے بل زمین پر گری تو اپنی حیثیت پر شرم آنے لگی۔

☼ ☼ ☼

کئی دن سے کالج نہیں گئی تھی۔ ماما اسے سمجھاتی تھیں مگر اس کا جرم اتنا بڑا تھا' وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہی تھی۔ جو واقف نہ تھے' ان سے بھی شرمندگی۔ اتنی گھٹیا ذہنیت تھی اس کی۔ جاہل' احمق' نادان' بے وقوف۔۔۔ بابا کو اس کی کم عقلی کا یقین نہ تھا' اب آجائے گا۔ ماما پریشان رہتی تھیں تو اب بھی پریشان تھیں۔ کم عقلی میں جذبہ شرمساری سے مغلوب ہو کر وہ کوئی اور غلط حرکت نہ کر بیٹھے اس کو معمولات کی ترغیب دیتی رہتی تھیں۔ اس نے کھانا پینا بہت کم کر دیا تھا۔ ماما کتنی خوشامدوں سے اسے اپنے ہاتھ سے کھلاتی تھیں۔

"آپ اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہیں ماما؟ میری گستاخیوں کے باوجود۔ کیوں ماما۔۔۔ میں بہت بری ہوں' مجھے برا ہی رہنے دیں' تاکہ مجھے اپنی سزا کا احساس ہو۔" وہ اس دن بلک پڑی۔ "مجھ سے نفرت کریں۔"

"تم میری پیاری بیٹی ہو' میں نے تمہیں اپنی جان

سے بڑھ کر چاہا ہے۔ حریم! ہم نے کبھی سوچا تک نہیں کہ تم ہماری نہیں' ہمارا جذبہ بہت گہرا تھا۔ محبت ہو تو بچی بے لوث ہو' اس میں خود غرضی کی ملاوٹ نہ ہو' یہ ہمارا نظریہ ہے۔ بیٹا! آپ ہمارے معاشرے کو اس لیے قبول نہیں کر سکیں کہ شروع میں دوسرے کئی ممالک میں ہم آتے جاتے رہے۔ آپ کے معصوم سادہ ذہن نے باہر کے بے باک بے دھڑک معاشرے کو اپنے لیے پسند کر لیا۔ وہاں تو... مطلب یورپ میں اپنی اولاد سے بھی ایک فاصلہ رہتا ہے۔ بلوغت تک پہنچتے ہی والدین اور اولاد میں غیریت کی لکیر کھنچ جاتی ہے۔ ہم خواہ کتنا بھی ان کی خوبیوں کو پسند کریں' آپ کے معاشرے' خاندان' خصوصاً" اپنے خون سے دور رہنا پسند نہیں کرتے۔ آپس میں تعلقات کسی وجہ سے نہ ہوں' تب بھی ذہنی طور پر یکجا ہونا چاہتے ہیں۔ ذرا سا موقع ملے ایک جگہ جمع ہو کر غم یا خوشی بانٹ لیتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں حقوق العباد کا حکم ہے' جبکہ باہر کے ملک اس سے واقف نہیں۔ آپ نے مذہب کا مطالعہ کیا ہے' ہم نے آپ کو دینی تعلیم بھی دی ہے۔ کیا آپ کی حماقت' نادانی کے سبب ہم اپنی محبت کو اپنی جان سے پیاری بچی کو اس لیے سزا دیں کہ وہ معصومیت میں غلط قدم اٹھا بیٹھی؟ محبت نفرت نہیں سکھاتی' برداشت کا حکم دیتی ہے۔ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ آئندہ احتیاط کا سبق مل گیا۔ مجھے تم سے اور زیادہ محبت محسوس ہو رہی ہے۔"

مما نے لیکچر دیا تھا مگر وہ مطمئن نہ تھی۔ وہ مسلسل مثالیں دے کر اسے حوصلہ دیتی رہیں۔

"لیکن... میں نے تیمور کے ساتھ... توصیف کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔ وہ تو معاف نہیں کریں گے اور باجی... اف اللہ... میں ان کا سامنا کیسے کروں گی...؟"

"کالج جانے کی تیاری کرو' پڑھائی پر توجہ دو' سب کچھ بھول جاؤ۔"

پاپا ہنستے ہوئے اندر آ رہے تھے۔

"لو بھئی نوریہ بیگم! آپ کے لیے کیسا بے بہا تحفہ لائے ہیں ہم' ذرا ملاحظہ فرمائیے۔"

"نہیں... ؟ ارے یہ کیا باجی؟" حریم کی رلائی آئی' جان بھی نکل گئی۔ ہائے رسوائی' کہاں چھپ جائے' غرق ہو جائے۔ پاپا باجی کو ہی نہیں توصیف کو بھی لائے تھے۔

"میں نے سوچا باجی کی آب و ہوا تبدیل ہو تو وہ صحت مند ہوں اور آپ دونوں ماں بیٹی کی جوان کو چاہت ہے' اس سے بھی فائدہ اٹھائیں۔"

مما' باجی سے لپٹ رہی تھیں۔ توصیف حریم کو دیکھ رہا تھا عجب سے۔

"یہ حریم کو کیا ہوا...؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ واقعی کمزور' نڈھال ہو چکی تھی' اپنی کرنی کا پھل جو کھا لیا تھا۔ تب... توصیف' اب اسے یاد آیا' توصیف کی آنکھیں' پلکیں' یہ چمک خود حریم جیسی تھی۔ ارے... وہ پہلے کیوں نہ سمجھ سکی تھی۔ (میرا بھائی)

"ہاں بھی بیمار ہو گئی تھی تمہارے جانے کے غم میں۔" مما ہنس رہی تھیں۔

باجی نے اسے گود میں بھر لیا۔ آہ... اس گود کی گرمی' اشتیاق اور خوشبو... وہ کیوں نہ پہچان سکی تھی۔ زار و قطار روتے ہوئے وہ ان کے کندھوں پر ٹک گئی۔

"ارے دھیان سے حریم بیٹا! باجی صحت بنانے آئی ہیں' صحت گرانے نہیں۔ تم تو انہیں تھکا دو گی۔"

وہ منہ چھپائے باجی سے لپٹی رہی۔ توصیف نے باجی کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔

"بس اداکاری ختم۔" توصیف تو آتے ہی حکم چلانے لگا۔ "اٹھو' ہم سب کے لیے چائے لاؤ۔ باجی کو لیٹنے دو۔ کیا تم ننھی بچی ہو' ان سے چمٹی ہوئی ہو۔ ہم سب کو خبر ہو گئی ہے۔ بہت ہی بے وقوف' کم عقل ہیں آپ۔ شکر ہے میں ایسا نہیں۔"

لگتا تھا پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ پاپا' مما' باجی سب ہنس رہے تھے۔

"ارے میری بچی کا منہ کیسا سوکھا چھوہارا سا ہو

توصیف اس کی کمزوری کا خیال کرو۔" باجی اسے پھر سے لپٹا رہی تھیں۔

"آپ... آپ نے مجھے معاف کر دیا؟" ڈرتے ڈرتے وہ بولی۔ نظر اٹھانے کی پھر بھی ہمت نہ ہوئی۔

باجی نے اپنا چہرہ اس کے چہرے سے لگا دیا۔

"بچوں کی خطا میں معاف نہ کریں تو ہماری بھی بخشش کیسے ہوگی۔ میری جان! ہم سب نے بھلا دیا ہے۔ تم بھی بھول جاؤ۔"

اور وہ جو ہفتے بھر سے غما کے لیکچر سن سن کر کچھ بولنے کو تیار نہ تھی' خود کو مجرم بنا کر خود ساختہ سزا کے خوف میں کھانا پینا چھوڑے بیٹھی تھی۔ باجی کے معافی کے اعلان کے بعد سب کچھ بھلا کر کچن کی طرف دوڑی۔ خانساماں کو چائے ہی نہیں' بے شمار چیزیں بنانے کا حکم دے رہی تھی۔ خانساماں حیران سا اسے دیکھ کر بکلا رہا تھا۔

"جی... جی..."

معافی... اس نے معافی دے دی پھر اسے کیا غم۔

یعنی اسے دنیا بھر کی دولت کے مقابلے میں ایک باجی کی معافی کا لفظ ہی سب سے قیمتی لگ رہا تھا۔ ماں ایسی ہوتی ہے اور اس کی تو دو دو مائیں ہیں۔ انہی جذبات کا اظہار اس نے کیک پیسٹری ڈٹ کر کھاتے ہوئے کر دیا۔

"میری دو دو مائیں ہیں' توصیف صاحب! آپ پھر بھی نقصان میں ہیں۔ مجھ سے تو کم درجے ہم رتبے کے ہوئے۔"

"درجہ میرا ہی بلند ہے۔ میں... ماموں جان کا بیٹا بن گیا ہوں اور ماموں مجھے اپنے خرچ پر تعلیم کے لیے باہر بھیج رہے ہیں۔ اب بتاؤ' ان کی دولت جائیداد مجھے ملے گی۔"

"نہیں... کیا... ؟" کیک اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا ہونق بنی سب کے قہقہے سن رہی تھی۔

"دولت... یہ سب فانی ہے۔ حریم! محبت کی دولت ہی سب سے افضل ہے ہمیشہ قائم رہنے والی۔

تم سب میرے بچے ہو' میرا سب کچھ تم سب کا ہے' کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔" پاپا اسے سمجھا رہے تھے۔

"واؤ... بیس سال پال پوس کر مجھے جوان کیا اور نفع ملا یہ ہمارے بھانجے' بھائی جی اس کے شریک ہو گئے۔" وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

توصیف اسے معاشرے کی اقدار' مذہب کے احکام' محبت اور حقوق العباد کا فلسفہ بتانے لگا۔

وہ کیا سن رہی تھی۔ ایک نئی دنیا' خوبصورت مناظر' حسین خوابوں کا جزیرہ۔ "ہائے توصیف کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں' بالکل میرے جیسی اور آواز کتنی رعب دار ہے' گھن گرج والی۔ شکر ہے میری آواز ایسی نہیں۔"

سوچ میں گم وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ "شکر ہے یہ میرا ہی بھائی ہے' میرا اپنا' میرے ساتھ دنیا میں آنے والا۔ میرا پیارا بھائی۔ یعنی میں اکیلی نہیں۔" کتنا حسین احساس تھا۔ نیا انوکھا۔ اکیلے پن کا فکر کہیں دور غائب ہو گیا تھا۔

☆